

نضر اللہ امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللہ نزل احسن الحديث



شماره نمبر
87

الحديث ماہنامہ حضر و

مدیر: حافظ زبیر علی زئی

رمضان ۱۴۳۲ھ اگست ۲۰۱۱ء



شیعیت کا مقدمہ اور جھوٹی روایات

حمید بن ابی حمید الطویل رحمہ اللہ

روزے کی حالت میں ہانڈی وغیرہ کا چکھنا؟

محدثین کرام اور ضعیف + ضعیف کی مروجہ حسن لغیرہ۔۔۔

محمود عالم اوکاڑوی کی دوغلی پالیسی

مکتبہ سید الجلیل الدین

حضر، اٹک: پاکستان



جھوٹ کبیرہ گناہ ہے

﴿وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ﴾ اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو۔ (الحج: ۳۰)

فقہ القرآن

۱: زور کا مطلب ہے: باطل، باطل گواہی، جھوٹ، جعل سازی، بت پرستی اور محفلِ رقص و غنا وغیرہ، اور ان تمام چیزوں سے بچنا فرض ہے۔

۲: رسول اللہ ﷺ نے تین دفعہ فرمایا: کیا میں تمہیں کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہ نہ بتا دوں؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! ضرور بتائیں، اے اللہ کے رسول! آپ (ﷺ) نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی۔

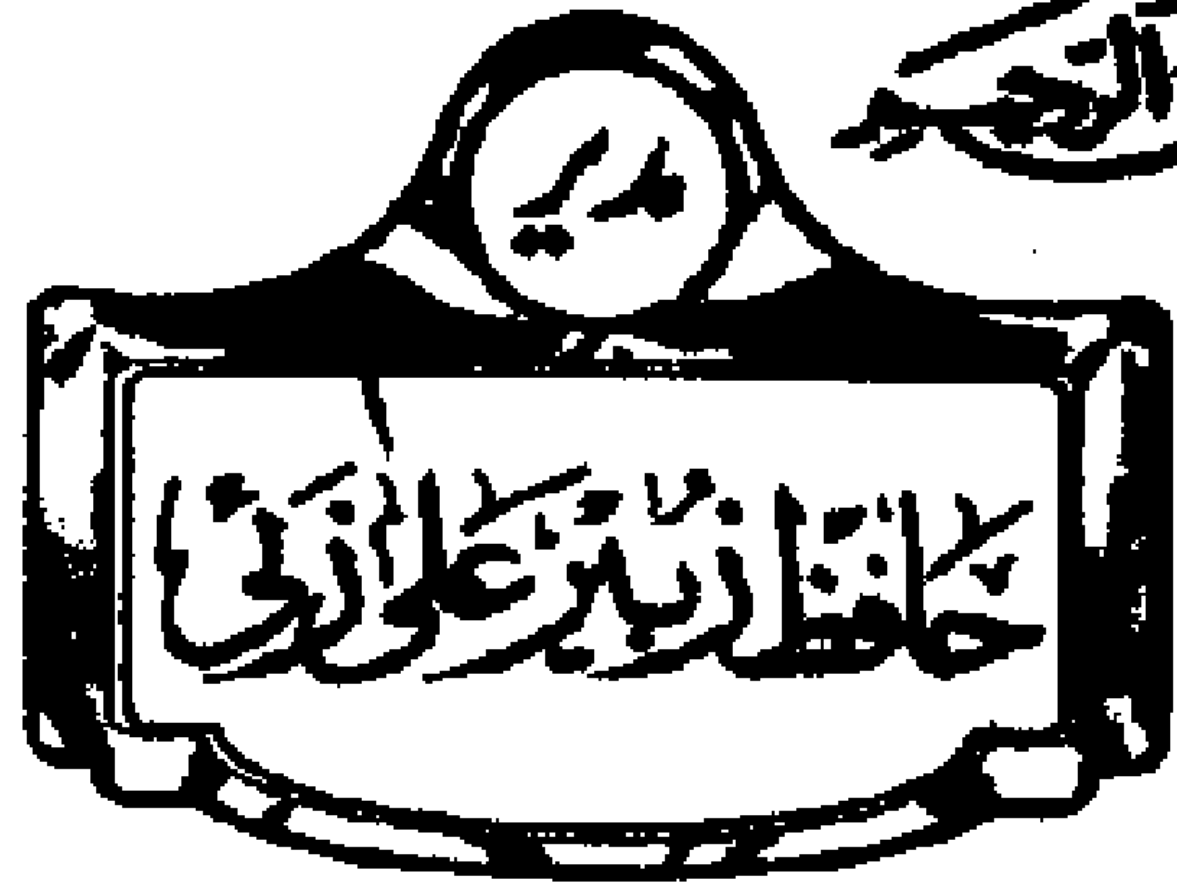
آپ اٹھ بیٹھے اور فرمایا: خبردار غور سے سن لو! اور جھوٹی بات (کبیرہ گناہ ہے)۔ آپ اسے بار بار دہراتے رہے۔ (صحیح بخاری: ۲۶۵۴، صحیح مسلم: ۸۷، دارالسلام: ۲۵۹)

۳: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”المؤمن يطبع على الخلال كلها إلا الخيانة والكذب“ مومن میں تمام خصلتیں وعادات ہو سکتی ہیں، لیکن خیانت اور جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ (کتاب الایمان لابن ابی شیبہ: ۸۱، وسندہ صحیح، کتاب الصمت لابن ابی الدنیا: ۴۹۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مومن جھوٹا اور خائن نہیں ہو سکتا۔

۴: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری طرف سے کوئی ایسی حدیث بیان کی جس کا جھوٹ ہونا معلوم ہے تو وہ شخص جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔ (صحیح مسلم: ۱)

۶: جس طرح جھوٹ بولنا بڑا جرم ہے، اسی طرح سچے آدمی کو جھوٹا کہنا بھی جرم ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے مطر بن عبد اللہ بن الشیر رحمہ اللہ کو برا کہا تو انھوں نے دعا فرمائی: اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے جلدی موت دے دے۔ وہ شخص فوراً گرا اور مر گیا۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر ۵۸/۳۲۳ وسندہ صحیح)



معاونین

حافظ ندیم ظہیر

ابو خالد شاکر

ابو جابر عبداللہ دامانوی



جلد: 8 | رمضان ۱۴۳۲ھ | اکت ۲۰۱۱ء | شمارہ: 8

اس شمارے میں

- فقہ الحدیث حافظ زبیر علی زئی 2
- توضیح الاحکام حافظ زبیر علی زئی 8
- شیعیت کا مقدمہ اور جھوٹی روایات
- حافظ زبیر علی زئی 15
- نخید بن ابی حمید الطویل رحمہ اللہ
- حافظ زبیر علی زئی 30
- روزے کی حالت میں ہانڈی وغیرہ کا پکھنا؟
- حافظ زبیر علی زئی 33
- محدثین کرام اور ضعیف و ضعیف کی مروجہ حسن الخیرہ...
- حافظ زبیر علی زئی 35
- عمود عالم اوکاڑوی کی دوغلی پالیسی ابو الحسن 48
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا احترام ابو حجاز 49

فی شمارہ : 20 روپے
سالانہ : 200 روپے
علاوہ محصول ڈاک
پاکستان: مع محصول ڈاک
300 روپے

مکتبہ الحديث

حضرت ضلع ایک

حافظ شیر محمد
0300-5288783

مکتبہ الحديث

حضرت ضلع ایک

0302-5758937

الضوء المصابيح

الضوء المصابيح في تحقيق مشكاة المصابيح

کامل وضو اور گناہوں کی مغفرت

(۲۸۲) وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((ألا أدلكم على ما يمحو الله به الخطايا . ويرفع به الدرجات ؟)) قالوا: بلى يا رسول الله ! قال: ((إسباغ الوضوء على المكاره وكثرة الخطى إلى المساجد وانتظار الصلاة بعد الصلاة، فذلكم الرباط)) [أخرجه مسلم ومالك]

(۲۸۳) وفي حديث مالك بن أنس: ((فذلكم الرباط فذلكم الرباط)) [ردد] مرتين . رواه مسلم . وفي رواية الترمذي : ثلاثاً .

اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں وہ چیز نہ بتا دوں جس کے ذریعے سے گناہ ختم ہو جاتے ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں؟ صحابہ کرام نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: تکلیف (مثلاً سخت سردی) کے وقت پورا وضو کرنا، مسجد تک دُور سے چل کر آنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے لئے منتظر رہنا اور یہ رباط (سرحد پر پہرہ) ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور (امام) مالک بن انس کی روایت میں: یہ رباط ہے، دو دفعہ ہے اور ترمذی کی روایت میں تین دفعہ ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۲۵۱/۴۱، دار السلام: ۵۸۷، امام مالک کا حوالہ: ۵۸۸) سنن ترمذی (۵۲)، نیز عرض ہے کہ موطاً امام مالک (روایۃ یحییٰ ۱۶۱/۱ ح ۳۸۵، روایۃ ابن القاسم: ۱۳۴) میں بھی: ”یہ رباط ہے“ کے الفاظ تین دفعہ ہیں۔

فقہ الحديث:

۱: عالم شاگردوں سے سوال کر کے انہیں مسئلہ سمجھا سکتا ہے۔

- ۲: فضائل اعمال کی صحیح اور بہترین حدیثوں میں سے یہ حدیث بھی ہے۔
- ۳: پورے وضو کا مطلب نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق اچھی طرح وضو کرنا ہے تاکہ کوئی عضو خشک نہ رہ جائے اور کوئی سنت بھی نہ رہ جائے۔
- ۴: تکلیف سے مراد سردی وغیرہ ہے۔
- ۵: رباط سرحدوں پر جہاد کے لئے مستعد رہنے کو کہتے ہیں اور اسی طرح نماز کی تیاری کر کے دوسری نماز کا انتظار رباط ہے۔ والحمد للہ
- ۶: جو شخص جتنی دور سے چل کر مسجد آتا ہے تو اس کے لئے اتنا ہی زیادہ ثواب ہے۔
- ۷: ابو بکر بن عبد الرحمن (تابعی) رحمہ اللہ فرماتے تھے: جو شخص صبح یا شام کو صرف مسجد کے ارادے سے مسجد جائے تاکہ خیر سیکھے یا سکھائے پھر گھر واپس آئے تو یہ شخص اس مجاہد کی طرح ہے جو اللہ کے راستے میں جہاد کر کے مال غنیمت لئے ہوئے واپس لوٹتا ہے۔
- (الموطأ ۱/۱۶۰، ۱۶۱ ح ۳۸۳ وسندہ صحیح)
- ۸: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ کر اپنی جائے نماز پر بیٹھ جاتا ہے تو فرشتے اس کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں: اے اللہ! اسے بخش دے، اے اللہ! اس پر رحم فرما۔ اگر وہ اپنی جائے نماز سے اٹھ کر نماز کے انتظار میں مسجد میں جائے تو وہ حالت نماز میں ہی رہتا ہے۔ (الموطأ ۱/۱۶۱ ح ۳۸۳ وسندہ صحیح)
- (۲۸۴) وعن عثمان رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ:
- ((من توضأ فأحسن الوضوء خرجت خطايا من جسده حتى تخرج من تحت أظفاره)) متفق عليه .
- اور (سیدنا) عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص وضو کرتا ہے اور اچھے طریقے سے وضو کرتا ہے تو اس کی خطائیں (اور گناہ) اس کے جسم سے نکل جاتے ہیں حتیٰ کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں۔ متفق علیہ
- تخریج: صحیح بخاری (؟) صحیح مسلم (۳۳/۲۳۵، دار السلام: ۵۷۸)

یہ روایت میرے علم کے مطابق صحیحین میں سے صرف صحیح مسلم میں ہے، صحیح بخاری میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم

فقہ الحديث:

- ۱: وضو کرنے سے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ نیز دیکھئے ج ۲۸۶
- ۲: وضو مسنون طریقے سے اور بالکل صحیح کرنا چاہئے، تاکہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے۔
- ۳: وضو کے دوران میں جو گناہ پانی کے قطروں کے ذریعے سے گرتے یعنی معاف ہوتے ہیں وہ کسی اُمتی کو نظر نہیں آتے، بلکہ صحیح حدیث کی وجہ سے اس پر ایمان ضروری ہے۔ بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ ان گناہوں کو محسوس فرما لیتے تھے، جیسا کہ زکریا صاحب نے لکھا ہے: ”اور جو حضرات اہل کشف ہوتے ہیں اُن کو گناہوں کا زائل ہونا محسوس بھی ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قصہ مشہور ہے کہ وضو کا پانی گرتے ہوئے یہ محسوس فرما لیتے تھے کہ کونسا گناہ اس میں ڈھل رہا ہے۔“

(فضائل نماز ص ۱۴ ج ۲، فضائل اعمال ص ۲۹۲)

عرض ہے کہ یہ بالکل جھوٹا قصہ ہے اور کسی صحیح یا حسن لذاتہ سند سے قطعاً ثابت نہیں اور نہ کسی اُمتی کا اہل کشف میں سے ہونا ثابت ہے۔

(۲۸۵) وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ : ((إذا توضأ العبد المسلم - أو المؤمن - فغسل وجهه خرج من وجهه كل خطيئة نظر إليها بعينه مع الماء - أو مع آخر قطر الماء - فإذا غسل يديه خرج من يديه كل خطيئة كان بطشتها يداه مع الماء - أو مع آخر قطر الماء - فإذا غسل رجليه خرج كل خطيئة مستها رجلاه مع الماء - أو مع آخر قطر الماء - حتى يخرج نقياً من الذنوب .)) رواه مسلم . اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مسلم یا مومن بندہ وضو کرتا ہے تو اپنا چہرہ دھوتا ہے، اس کا ہر گناہ جسے اس نے آنکھوں کے ساتھ دیکھا تھا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ

نکل (کر گر) جاتا ہے پھر جب وہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے ہر گناہ پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل (کر گر) جاتا ہے جس کے بارے میں اس نے ہاتھ استعمال کئے تھے، پھر جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو اس کا ہر گناہ جس کے بارے میں پاؤں استعمال کئے تھے پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل (کر گر) جاتا ہے، حتیٰ کہ وہ گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۲۳۲/۳۲، دارالسلام: ۵۷۷)

فقہ الحدیث:

۱: وضو کے ذریعے سے خطائیں معاف ہوتی ہیں۔

۲: وضو میں ترتیب ضروری ہے۔

۳: اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

۴: قبولیت اعمال کے لئے ایمان ضروری ہے۔ نیز دیکھئے حدیث سابقہ: ۲۷۴

(۲۸۶) وعن عثمان [رضي الله عنه] قال قال رسول الله ﷺ :

((ما من امرئ مسلم تحضره صلاة مكتوبة فيحسن وضوءها وخشوعها وركوعها إلا كانت كفارة لما قبلها من الذنوب ما لم يؤت كبيرة وذلك الدهر كله)) رواه مسلم .

اور (سیدنا) عثمان (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فرض نماز کا وقت ہونے پر جو مسلمان آدمی اچھا وضو کرتا ہے، خشوع اور رکوع کا بہت اچھا خیال رکھتا ہے تو سابقہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، بشرطیکہ کبیرہ گناہ نہ ہو اور ایسا ہمیشہ ساری زندگی ہوتا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۲۲۸/۷، دارالسلام: ۵۴۳)

فقہ الحدیث:

۱: وضو کے ذریعے سے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

- ۲: کبیرہ گناہ توبہ، حقوق کی ادائیگی اور اصلاح کے بغیر معاف نہیں ہوتے۔
 ۳: ثواب حاصل کرنے کے لئے وضو کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے اور پورا اہتمام کرنا چاہئے، تاکہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے۔

(۲۸۷) وعنه انه توضأ فأفرغ على يديه ثلاثاً ثم تمضمض واستنثر ثم غسل وجهه ثلاثاً ثم غسل يده اليمنى إلى المرفق ثلاثاً ثم غسل يده اليسرى إلى المرفق ثلاثاً ثم مسح برأسه ثم غسل رجله اليمنى ثلاثاً ثم اليسرى ثلاثاً ثم قال: رأيت رسول الله ﷺ توضأ نحو وضوئي هذا، ثم قال: ((من توضأ وضوئي هذا ثم يصلي ركعتين، لا يحدث نفسه فيهما بشيء غفر له ما تقدم من ذنبه)) متفق عليه. ولفظه للبخاري.

اور (حُمران مولیٰ عثمان سے) روایت ہے کہ انھوں (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) نے وضو کیا تو دونوں ہاتھوں پر تین دفعہ پانی بہایا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر اپنا چہرہ تین دفعہ دھویا، پھر اپنا دایاں ہاتھ کہنی تک تین دفعہ دھویا، پھر اپنا بائیں ہاتھ کہنی تک تین دفعہ دھویا، پھر سر کا مسح کیا، پھر دایاں پاؤں تین دفعہ دھویا، پھر بائیں پاؤں تین دفعہ دھویا، پھر فرمایا: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح وضو کیا جس طرح میں نے یہ وضو کیا ہے، پھر آپ (ﷺ) نے فرمایا: جس نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا، پھر دو رکعتیں پڑھیں، اپنے دل کے ساتھ کسی چیز میں کلام نہیں کیا تو اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

متفق علیہ اور الفاظ (صحیح) بخاری کے ہیں۔

تخریج: ۸ صحیح بخاری (۱۹۳۴) صحیح مسلم (۲۲۶، دار السلام: ۵۳۸)

فقہ الحديث:

- ۱: وضو کے فوراً بعد دو رکعتیں (تحیۃ الوضو) پڑھنا بہت بڑے ثواب کا کام ہے۔
 ۲: رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہے۔
 ۳: حدیث حجت ہے۔

- ۴: مسئلہ سمجھاتے ہوئے اس کی عملی شکل بتا دینا بہت بہتر ہے۔
- ۵: رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے بغیر قرآن مجید کو سمجھنا ناممکن ہے اور اس کے بعد آثارِ سلف صالحین کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔
- ۶: کثرتِ نوافل سے اپنے رب کو راضی کرنے میں ہمیشہ مشغول رہنا چاہئے۔
- ۷: حدیث مذکور میں صغیرہ گناہ مراد ہیں۔ نیز دیکھئے حدیث سابق: ۲۸۶
- ۸: وضو میں ترتیب ضروری ہے۔
- ۹: اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔
- ۱۰: اپنے عمل کو دلیل سے مدلل کرنا چاہئے۔ وغیر ذلک
- (۲۸۸) وعن عقبۃ بن عامر قال قال رسول اللہ ﷺ: ((ما من مسلم يتوضأ فيحسن وضوءه ثم يقوم فيصلي ركعتين مقبلاً عليهما بقلبه ووجهه إلا وجبت له الجنة)) رواه مسلم .
- اور (سیدنا) عقبہ بن عامر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
- جو مسلمان بھی اچھے طریقے سے وضو کرتا ہے، پھر اٹھ کر دو رکعتیں پڑھتا ہے جن میں اپنے دل اور چہرے کے ساتھ (اللہ کی طرف) متوجہ رہتا ہے تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔
- تشریح:** صحیح مسلم (۲۳۴، دارالسلام: ۵۵۳)
- فقہ الحدیث:**
- ۱: ہر عمل میں خلوص نیت ضروری ہے۔
- ۲: اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔
- ۳: وضو ہی مقبول ہے جو مسنون ہے۔
- ۴: نجات کے لئے ایمان ضروری ہے۔
- ۵: جو شخص نماز نہیں پڑھتا اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔



روزوں کی قضا یا فدیہ؟

سوال اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن و سنت کی دعوت و تبلیغ اور اسلام کی حفاظت کے لئے دراز عمر عطا فرمائے، آمین۔ شیخ صاحب! میں نے اپنے استاد محترم شیخ القرآن والحديث علامہ عبدالسلام صاحب رستمی السلفی سے سنا ہے کہ اگر کوئی شخص وفات پا جائے اور ان پر رمضان کے روزوں کی قضا باقی ہو تو اس میت کے ورثاء اس کے لئے روزے رکھ سکتے ہیں، اور اگر کوئی شخص اس میت کے لئے فدیہ دے تو یہ بھی جائز ہے۔ ہاں میت کے لئے روزے رکھنا حدیث مرفوع سے ثابت ہے اور فدیہ والی روایت موقوف ہے۔

لیکن شیخ الحدیث مولانا گوہر رحمن رحمہ اللہ نے فتاویٰ تفہیم المسائل جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۱۴۲ پر دو احادیث نقل کی ہیں کہ ”میت کے لئے نہ کوئی نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ روزے رکھ سکتا ہے۔“

یہ تو ٹھیک ہے کہ نماز کا نہ کوئی فدیہ احادیث میں ثابت ہے اور نہ کوئی شخص ایک میت کے لئے اس کی طرف سے نمازیں پڑھ سکتا ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص سخت بیمار ہو اور وہ رمضان کے روزے نہ رکھ سکے اور وفات ہو جائے تو اس کے لئے اس کا ولی روزے رکھ سکتا ہے اور شیخ گوہر رحمن رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میت کی طرف سے اس کا وارث یا ولی روزے بھی نہیں رکھ سکتا۔

میں شیخ القرآن مولانا عبدالسلام صاحب حفظہ اللہ کی بیان کردہ دو احادیث نبوی ﷺ بھی آپ کے سامنے پیش کروں گا اور شیخ گوہر رحمن رحمہ اللہ کی بیان کردہ دو احادیث بھی پیش کروں گا۔

شیخ زبیر علی زئی صاحب! آپ مہربانی کر کے جانہن کے دلائل جانچ لیں، تطبیق کر دیں، جرح و تعدیل بھی کر دیں اور مسئلے کی رائج صورت بھی مدلل پیش کریں، کیونکہ اس مسئلہ میں ظاہری تضاد نظر آتا ہے۔

شیخ القرآن علامہ عبدالسلام صاحب کے دو دلائل:

(۱) اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ((مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيَّهُ.)) جو شخص مر جائے اور اس پر روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزہ رکھے۔

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۶۲، صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶۲)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میری ماں مر گئی اور اس پر ایک مہینہ کے روزے تھے، کیا میں اس کی طرف سے ان روزوں کو ادا کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تیری ماں پر کچھ قرض ہوتا تو کیا تو اس قرض کو اس کی طرف سے ادا کرتا؟ اس شخص نے جواب دیا ضرور! تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کئے جانے کے زیادہ لائق ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶۲)

شیخ گوہر رحمٰن رحمہ اللہ کے دو دلائل تفہیم المسائل سے:

(۱) عن ابن عباس رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: لا يصلي أحد عن أحد ولا يصوم أحد عن أحد ولكن يطعم عنه.

کوئی شخص دوسرے کی جگہ نہ نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ اس کی جانب سے روزے رکھ سکتا ہے۔ لیکن اس کی جانب سے غریبوں کو کھانا کھلا دیا جائے یعنی فدیہ دیا جائے۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۵۷، مشکل الآثار جلد ۳ ص ۱۴۱، نصب الراية از امام زبیری ج ۳ ص ۴۶۳، وقال ابن

حجر: إسناده صحيح، الدرر ایہ ص ۱۷۷)

(۲) عن ابن عمر رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: لا يصلي أحد عن

أحد ولا يصوم أحد عن أحد إلا أن تصدقت وأهديت .
ابن عمر رضي الله عنهما سے مروی ہے کہ کوئی شخص دوسرے کی جانب سے ہرگز نماز نہ پڑھے اور نہ اس کی جانب سے روزے رکھے الا یہ کہ تو اس کے لئے صدقہ اور قربانی دے سکتا ہے۔
(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۲۵۷، نصب الراية از امام زبلی ج ۲ ص ۴۶۳، مشکل الآثار ج ۳ ص ۱۴۱، وقال ابن حجر: إسناده صحيح، الدرر المص ۱۷۷)

مہربانی کر کے میرا یہ سوال ضرور ماہنامہ الحدیث حضور میں شائع کریں۔
(قاری فضل احمد، ملاکنڈ)

الجواب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((من مات و علیہ صیام صام عنه و لیہ .))
جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر روزے ہوں، اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے گا۔ (صحیح بخاری: ۱۹۵۲، صحیح مسلم: ۱۱۳۷، ترمذی دار السلام: ۲۶۹۲)
اس حدیث میں ”اس پر روزے ہوں“ سے مراد نذر کے روزے ہیں، جس کی تین دلیلیں درج ذیل ہیں:

۱: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی تو کہا: اے اللہ کے رسول! میری ماں فوت ہو گئی اور اس پر نذر کے روزے (باقی) ہیں، تو کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں؟ آپ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا کر دیتیں، تو یہ اس کی طرف سے ادا ہو جاتا؟ اس نے کہا: جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((فصومي عن أمك .)) پس تم اپنی ماں کی طرف سے روزے رکھو۔ (صحیح مسلم: ۱۱۳۸، ترمذی دار السلام: ۲۶۹۲)

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ایک عورت نے سمندری سفر کیا تو ایک مہینہ روزے رکھنے کی نذر مانی، پھر وہ روزے رکھنے سے پہلے ہی فوت ہو گئی تو اس کی بہن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر یہ واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ اس (اپنی بہن) کی

طرف سے روزے رکھے۔ (سنن مغری للنسائی، کتاب الايمان والنذور، من نذر ان يصوم ثم مات قبل ان يصوم ج ۷ ص ۲۹۷ ح ۳۸۲۷ عن ابن عباس رضي الله عنه وسنده صحيح، ومحمد بن خزيمة: ۲۰۵۳)

امام ابو داود نے اس مفہوم کی ایک روایت (ج ۸ ص ۳۳۰ ح ۳۳۰۸ وهو حديث صحيح) پر ”باب قضاء النذر عن الميت“ کا باب باندھا ہے۔ (طبع دار السلام ص ۲۷۹-۲۸۰)

ظاہر ہے کہ حدیث حدیث کی تشریح کرتی ہے، لہذا حدیث مذکور سے مراد نذر کے روزے ہیں۔

۲: حدیث مذکور کی راویہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا: ”میری ماں فوت ہو گئی ہیں اور ان پر رمضان کے روزے باقی تھے، کیا میں ان کی طرف سے ان روزوں کی قضا رکھ سکتی ہوں؟“ تو انھوں نے جواب دیا: نہیں، لیکن ان کی طرف سے ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دو، یہ اس کی طرف سے تمہارے روزے رکھنے سے بہتر ہے۔

(شرح مشکل الآثار للطحاوی طبعہ جدیدہ ۱۷۸۶، سندہ حسن ومحمد ابن الترمذی فی الجوامع ۲/۲۵۷ ح ۲۵۷)

راویہ حدیث کے اس فتوے سے یہی ظاہر ہے کہ میت کی طرف سے عام روزے نہیں رکھے جائیں گے، بلکہ صرف نذر کے روزے رکھنا جائز ہے۔

دوسری حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”لا یصلی احد عن احد ولا یصوم احد عن احد و لكن یطعم عنه مکان کل یوم مدًا من حنطة.“ کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز نہ پڑھے اور کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ نہ رکھے، لیکن ہر دن کے (روزے کے) بدلے میں اس کی طرف سے گندم کا ایک مد کھانا کھلائے۔

(السنن الکبریٰ للنسائی ۵/۲۷۵ ح ۲۹۱۸ وسندہ صحيح وصححه الحافظ ابن حجر فی الدراية ۲/۲۸۳ ح ۳۷۵)

ایک مد ۵۳ تولے وزن کا ایک پیانہ ہے۔

۳: امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ دونوں نے فرمایا: ”اذا كان علی

المیت نذر صیام یصوم عنه و إذا کان علیہ قضاء رمضان أطعم عنه .
اگر میت پر نذر کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے روزے رکھے اور اگر رمضان کی قضا باقی ہو تو اس کی طرف سے روزوں کا فدیہ کھلائے۔

(سنن ترمذی: ۱۸۷۱ واللفظ له، مسائل الامام احمد واسحاق، برویة اسحاق بن منصور الکونج ۲۸۸/۱، فقرہ: ۶۷۹)

امام ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی (متوفی ۶۵۶ھ) نے فرمایا:

”وقال به أحمد واللیث و أبو عیید إلا أنهم خصصوه بالنذر .“

اور اس حدیث کے مطابق احمد (بن حنبل) لیسٹ (بن سعد) اور ابو عبید کا قول ہے، الا یہ کہ انھوں نے اس حدیث کی تخصیص نذر کے روزوں کے ساتھ کی ہے۔

(المعجم ج ۳ ص ۲۰۸ تحت ح ۱۰۱۴)

حدیث ابن عباس، راویان حدیث کے فتاویٰ اور سلف صالحین کے فہم سے ثابت ہوا کہ جواب کے شروع میں مذکور حدیث سے مراد یہ ہے کہ میت کے اولیاء صرف اس صورت میں میت کی طرف سے روزے رکھ سکتے ہیں جب اس پر نذر کے روزے باقی ہوں، رہے رمضان کے روزے تو یہ میت کی طرف سے نہیں رکھے جائیں گے بلکہ ہر روزے کے بدلے میں فدیہ کھلایا جائے گا۔

جناب گوہر رحمن صاحب نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب جس مرفوع روایت کا حوالہ سنن کبریٰ از بیہقی، مشکل الآثار، نصب الراية اور الدرر الیہ سے پیش کیا ہے تو عرض ہے کہ ان تمام کتابوں میں یہ روایت ”قال رسول اللہ ﷺ“ کے الفاظ کے ساتھ نہیں، بلکہ صرف سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے، لہذا اسے مرفوع یعنی نبی ﷺ کی حدیث کے طور پر بیان کرنا غلط ہے اور زیلعی حنفی نے بھی لکھا ہے کہ ”غریب مرفوعاً“ یعنی اس کا مرفوع ہونا معلوم نہیں ہے۔ (دیکھئے نصب الراية ۲/۴۶۳)

آپ نے گوہر رحمن صاحب کی بیان کردہ دونوں روایات ”تفہیم المسائل حصہ اول“ سے نقل کی ہیں، یہ میرے نسخے کے صفحہ ۱۲۳-۱۲۴ پر ہیں۔ (طبع جنوری ۱۹۹۳ء)

گوہر رحمن صاحب کو بڑی غلطی لگی، انھوں نے موقوف کو مرفوع، یعنی صحابی کے فتوے کو نبی ﷺ کی حدیث بنا ڈالا ہے۔

تنبیہ: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتوے والی روایت کی سند صحیح ہے، جیسا کہ فقرہ نمبر ۲ کے تحت گزر چکا ہے۔

گوہر رحمن صاحب نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب مرفوع روایت مشکل الآثار، سنن کبریٰ از بیہقی، نصب الراية اور الدرایہ کے حوالے سے نقل کی ہے۔

(تفہیم المسائل ج ۱ ص ۱۲۴)

حالانکہ ان چاروں کتابوں میں یہ مرفوع روایت موجود نہیں بلکہ عبدالرزاق وغیرہ نے اسے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول اور فتوے کے طور پر نقل کیا ہے۔ (دیکھئے نصب الراية ۲/۳۶۳) اور حافظ ابن حجر نے فرمایا: ”الصحيح عن ابن عمر موقوف“ صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عمر سے موقوف ہے۔ (الدرایہ ۲/۲۸۳ ج ۲ ص ۲۷۵)

فائدہ: مصنف عبدالرزاق والی روایت امام عبدالرزاق کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام بیہقی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ”لا يصوم أحد عن أحد ولكن تصدقوا عنه من ماله الصوم لكل يوم مسكيناً“ کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ نہ رکھے، لیکن اس کی طرف سے صدقہ کرو، ہر دن کے روزے کے بدلے میں مسکین کو کھانا کھلاؤ۔ (السنن الکبریٰ ۳/۲۵۴ وسندہ صحیح)

اس روایت کی سند صحیح ہے اور امام مالک نے بغیر کسی سند کے متن میں اضافے والی روایت کو موطاً میں نقل کیا ہے۔ (۳۰۳/۱ ج ۱ ص ۶۸۱ وسندہ ضعیف، روایت یحییٰ بن یحییٰ) •

امام ابوالجہم العلاء بن موسیٰ بن عطیہ الباہلی البغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”نسنا لیث بن سعد عن نافع ان عبد اللہ بن عمر کان یقول: ”لا يصوم أحد عن أحد ولا يصح أحد عن أحد“ کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے روزہ نہ رکھے اور کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے حج نہ کرے۔ (جزء ابی الجہم ۲۳ وسندہ صحیح)

اس کی سند صحیح ہے اور اس قول میں ”جج نہ کرے“ والی بات محل نظر ہے بلکہ احادیث مرفوعہ صحیحہ کی زد سے یہ ثابت ہے کہ دوسرے کی طرف سے جج بدل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ جج بدل کرنے والے نے پہلے خود فرض جج کر رکھا ہو۔

حافظ ابن عبدالبر نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ کوئی آدمی کسی دوسرے کی طرف سے فرض نماز نہیں پڑھے گا۔ (دیکھئے التہجد ۱۳۳/۹)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے موقف قول کو گوہر حسن کا رسول اللہ ﷺ کی حدیث قرار دینا بھی غلط ہے۔ (۲۶/ دسمبر ۲۰۱۰ء)

اگر اذان نامکمل رہ جائے تو؟

سوال مؤذن کسی وجہ سے اپنی اذان مکمل نہ کر سکے تو کیا دوسرا شخص اس کی اذان کو مکمل کرے گا یا نئے سرے سے اذان دے گا؟ (اعجاز احمد، گوہر نوبہ یک سنگ)

الجواب اگر مؤذن کسی عذر کی وجہ سے اپنی اذان مکمل نہ کر سکے، مثلاً بیمار ہو کر بیٹھ جائے یا گر جائے تو میرے علم کے مطابق کسی حدیث میں یہ ثبوت نہیں کہ دوسرا شخص اس کی اذان کو مکمل کر سکتا ہے اور نہ نماز باجماعت پر اس کا قیاس ثابت ہے، لہذا دوسرے شخص کو چاہئے کہ نئے سرے سے پوری اذان دوبارہ دے۔ واللہ اعلم

ایک شخص نے اذان دے دی، پھر سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انہوں نے دوبارہ اذان کہی۔

(دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ۱/ ۳۹۹ وقال: ”هذا إسناد صحيح“ وسندہ صحیح، نیز دیکھئے الاوسط لابن المنذر ۱۲۱۲ ح ۱۸۸/۳)

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اذان دوبارہ کہنی چاہئے۔

نیز دیکھئے ابراہیم بن صالح الاحمدی الشامی الدرر الدمشقی کی کتاب: تحفہ الخلفاء فی احکام الاذان (ص ۱۴۴، مطبوعہ دار النوادر شام، لبنان)

حافظ زبیر علی زئی

شیعیت کا مقدمہ اور جھوٹی روایات

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله الامين ورضي الله
عن اصحابه اجمعين ورحمة الله على من تبعهم باحسان: السلف
الصالحين، اما بعد:

سیدنا امام النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہو یا صحابی کا اثر، سلف صالحین کی
روایات ہوں یا کسی عالم وغیرہ کا منقول قول و فعل، اہل سنت کے نزدیک ہر روایت و منقول
کے لئے صحیح و حسن یعنی مقبول متصل سند کا ہونا ضروری ہے، جیسا کہ مشہور ثقہ امام عبد اللہ بن
المبارک المروزی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۱ھ) نے فرمایا:

”الإسناد من الدين ولو لا الإسناد لقال من شاء ما شاء.“

سندیں دین میں سے ہیں اور اگر سندیں نہ ہوتیں تو جو آدمی چاہتا وہ کہہ دیتا۔

(مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲، ترجمہ دار السلام: ۳۳۰، سند صحیح)

امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۸ھ) نے فرمایا: ”لا تنظروا إلى الحديث
ولكن انظروا إلى الإسناد فإن صح الإسناد وإلا فلا تغتر بالحديث إذا لم
يصح الإسناد.“ حدیث نہ دیکھو بلکہ سند دیکھو، پھر اگر سند صحیح ہو تو (ٹھیک ہے) اگر سند
صحیح نہ ہو تو دھوکے میں نہ آنا۔ (المجامع لاغلاق الراوی وآداب السامع ۱۰۲/۲ ج ۱ ص ۱۳۰، سند صحیح)

ضعیف و مردود اور بے سند روایات کا ہونا اور نہ ہونا ایک برابر ہے، جیسا کہ حافظ ابن

حبان نے فرمایا: ”لأن ماروی الضعيف و ما لم یرو: فی الحکم میان“

کیونکہ جو ضعیف روایت بیان کرے اور جس کی روایت ہی نہ ہو: دونوں حکم میں برابر ہیں۔

(المجرحین لابن حبان ج ۱ ص ۲۲۸، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۲۱۲ ترجمہ سعید بن زیاد)

اہل سنت کے نزدیک قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا مقام ہے اور صحیحین

کی تمام سند متصل مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں، کیونکہ انھیں اُمت کی طرف سے متفقہ تلقی بالقبول حاصل ہے۔ دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (۱۲۳۱-۱۲۸، نوع اول) اور مقدمہ ابن الصلاح (مع التقييد والايضاح ص ۳۱-۳۲، دوسرا نسخہ ص ۹۷، نوع اول) صحیحین کے علاوہ ہر کتاب کی صرف وہی روایت اور حوالہ مقبول ہے، جس میں تین شرطیں ہوں:

- ۱: صاحب کتاب ثقہ و صدوق عند جمہور المحدثین ہو۔
 - ۲: کتاب مذکور اپنے مصنف یعنی صاحب کتاب سے ثابت و مشہور ہو۔
 - ۳: صاحب کتاب سے آخری راوی یا قائل و فاعل تک سند متصل و مقبول (صحیح یا حسن) ہو۔
- اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو تو حوالہ بے کار ہے اور روایت مذکورہ ناقابل اعتماد و مردود ہے۔

اہل سنت کی اصول حدیث اور اسماء الرجال کی معتبر کتابیں مشہور و معروف ہیں اور ان کے بغیر کسی کتاب مثلاً مسند احمد، سنن ترمذی، سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ وغیرہ کی روایات سے استدلال غلط ہے اور اصول کے خلاف ہونے کی وجہ سے سرے سے مردود ہے۔ اس تمہید کے بعد حسین الامینی صاحب (ایک شیعہ) کی کتاب: ”شیعیت کا مقدمہ“ سے دس (۱۰) جھوٹی اور مردود روایات پیش خدمت ہیں، جن سے امینی مذکور نے اہل سنت کی بعض کتابوں کے حوالے دے کر استدلال کیا ہے، حالانکہ مذکورہ کتابوں کے مصنفین نے اپنی ان کتابوں میں روایات کے صحیح ہونے کا التزام نہیں کیا اور نہ اصول حدیث و اسماء الرجال کی رو سے یہ روایتیں صحیح یا حسن ہیں، بلکہ اس کے برعکس موضوع، باطل اور مردود ہیں۔

۱) سیدنا جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے، پھر علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”والذي نفسي بيده! إن هذا و شيعته هم الفائزون يوم القيامة ...“

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بے شک یہ (علیؑ) اور ان کے شیعہ قیامت کے دن (جنت کے رفیع درجوں پر) فائز ہوں گے۔ الخ (شیعیت کا مقدمہ ص ۵۰-۵۱) اس روایت کو امینی صاحب نے اپنے مخصوص ترجمے کے ساتھ کسی عبید اللہ امرتسری (؟) کی کتاب: ارجح المطالب فی مناقب اسد اللہ الغالب سے بحوالہ ابن عساکر، خوارزمی اور سیوطی (در منشور) نقل کیا ہے۔

سیوطی کی در منشور میں یہ روایت بحوالہ ابن عساکر مذکور ہے۔ (ج ۶ ص ۳۷۹، آخر سورة البینہ) خوارزمی سے مراد اگر موفق بن احمد بن محمد بن سعید المکی خطیب خوارزم ہے تو یہ شخص معتزلی تھا۔ دیکھئے مناقب ابی حنیفہ للکردری (ج ۱ ص ۸۸) خوارزمی مذکور کی توثیق ثابت نہیں اور نہ اس کی کتاب کا کوئی اتا پتا ملا ہے اور علمائے کرام نے یہ صراحت کی ہے کہ اس کی کتاب (فضائل علیؑ) میں (بہت زیادہ) موضوع روایات ہیں۔

دیکھئے منہاج السنہ للحافظ ابن تیمیہ (۱۰۷۳) اور المنشی من منہاج السنہ للذہبی (ص ۳۱۲) معلوم ہوا کہ خوارزمی کا بے سند حوالہ پیش کرنا بے کار و مردود ہے اور اصول اہل سنت کے سراسر خلاف ہے۔

حافظ ابن عساکر کی کتاب: تاریخ دمشق (ج ۳۵ ص ۲۴۳) میں یہ روایت سند سے موجود ہے، لیکن کئی وجہ سے موضوع ہے:

۱: اس کا راوی ابوالعباس ابن عقدہ چور تھا۔ (اکال لابن عدی ج ۱ ص ۲۰۹ و سند صحیح) ابن عقدہ کی توثیق کسی محدث سے ثابت نہیں اور امام دارقطنی نے فرمایا: وہ گند آدی تھا۔ (تاریخ بغداد ج ۵ ص ۲۲ و سند صحیح، لسان المیزان ج ۱ ص ۲۶۴ ت ۸۱۷) ایسے راوی کی روایت مردود اور موضوع ہوتی ہے۔

۲: ابن عقدہ رافضی کا استاد محمد بن احمد بن الحسن القطوانی نامعلوم (مجهول) ہے۔

۳: قطوانی کا استاد ابراہیم بن انس الانصاری نامعلوم ہے۔

۴: انصاری کا استاد ابراہیم بن جعفر بن عبد اللہ بن محمد بن مسلمہ نامعلوم ہے۔
مجهول راوی کی روایت موضوع ہونے کے لئے دیکھئے: حافظ ذہبی کی تلخیص
المستدرک (۶۰/۳ ج ۳۳۹۹)
خلاصہ التحقیق یہ ہے کہ روایت مذکورہ موضوع ہے، لہذا بغیر جرح کے اس کا بیان کرنا
علا نہیں ہے۔

۵: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ
ﷺ نے (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”ہو أنت و شيعتك يوم القيامة راضين
مرضين“ وہ لوگ تم اور تمہارے شیعہ ہیں۔ قیامت کے روز خوش اور خوشنود کیے گئے۔
(شیعیت کا مقدمہ ص ۵۱ بحوالہ ابن مردویہ، البوئیم فی الحلیہ، الدیلمی فی فردوس الاخبار اور السیوطی فی الدر المنثور)
در منثور (۳۷۹/۶) میں یہ روایت بحوالہ ابن عدی مذکور ہے۔

ابن مردویہ کی کتاب نامعلوم یعنی مفقود ہے، نیز یہ روایت الکامل لابن عدی، حلیۃ الاولیاء
لابی نعیم اور الفردوس للدیلمی تینوں کتابوں میں نہیں ملی، لہذا یہ بے سند ہونے کی وجہ سے
مردود اور باطل ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا: ”هو كذب موضوع باتفاق أهل المعرفة بالمنقولات“
روایات کے ماہرین کا اتفاق (اجماع) ہے کہ یہ روایت جھوٹی من گھڑت ہے۔

(منہاج النبی ص ۳۷ ج ۷۰)

حافظ ذہبی نے فرمایا: ”و إن كنا جازمين بوضعه“ اور اگرچہ ہم بطور جزم اسے
موضوع (جھوٹی من گھڑت روایت) سمجھتے ہیں۔ (المستغنی من منہاج النبی ص ۲۵۸)

خلاصہ یہ کہ اہل سنت کے نزدیک یہ روایت جھوٹی اور موضوع ہے، لہذا ابن عدی،
ابن مردویہ یا کسی امرتسری کا نام لے کر اسے عوام کے سامنے بیان کرنا حرام ہے۔

۶: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی
رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”ألم تسمع قول الله تعالى: ان الذين آمنوا و عملوا

الصلحت اولئك هم خير البرية؟ أنت و شيعتك و موعدكم الحوض ... “
یا علی! کیا تو نے اللہ کے فرمان کو نہیں سنا کہ تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ
سب سے بہترین مخلوق ہیں۔ وہ لوگ تم اور تمہارے شیعہ ہیں۔ میرا اور تمہارا وعدہ گاہ حوض
کوثر ہے۔“ (شیعیت کا مقدمہ ص ۵۲ بحوالہ ابن مردودہ، خوارزمی اور درمنثور)

ابن مردودہ کی کتاب مفقود ہے اور درمنثور (۳۷۹/۶) میں یہ روایت بحوالہ ابن
مردودہ مذکور ہے، لہذا اس کی سند نامعلوم ہے۔

خوارزمی کے بارے میں دیکھئے حدیث سابق: ۱

خلاصہ یہ کہ یہ روایت بے سند ہونے کی وجہ سے موضوع مردود ہے۔

(۴) سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی (رضی اللہ عنہ)
سے فرمایا: ”ابشر یا علی! أنت و شيعتك في الجنة“
یا علی! خوش ہو تو اور تیرے شیعہ جنت میں ہوں گے۔

(شیعیت کا مقدمہ ص ۵۲ بحوالہ الفخر الاسلام نجم الدین ابوبکر بن محمد بن حسین السملانی المرندی فی مناقب صحابہ)
نجم الدین سملانی مرندی کا کوئی اتہاپا معلوم نہیں اور اگر یہ واقعی کوئی قابل ذکر شخص تھا
تو پھر اس سے لے کر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا تک سند نامعلوم ہے، لہذا یہ روایت موضوع ہے۔
ایسی صاحب نے یہ چار موضوع روایات پیش کر کے لکھا ہے:

”مزید تفصیل دیکھنے کے خواہشمند ارجح المطالب ص ۶۵۷ تا ۶۵۹ طبع قدیم کی طرف
رجوع کریں۔“ (شیعیت کا مقدمہ ص ۵۲)

عرض ہے کہ کیا یہ چار موضوع اور جھوٹی روایتیں تھوڑی ہیں کہ لوگ عبید اللہ امرتسری (?)
کی ناقابل اعتماد اور خزانہ موضوعات کتاب: ارجح المطالب کی طرف رجوع کرنے پر مجبور
کئے جا رہے ہیں؟

ایسی کتاب کی طرف رجوع کرنے کا کیا فائدہ؟ کہ آپ نے جس کی طرف خوب
رجوع کر کے اس میں سے چار جھوٹی روایات کی شکل میں جو ”کھن“ نکالا ہے، علمی میدان

اور اہل سنت کے اصول پر اس کی کوئی حیثیت نہیں، بلکہ اس کا وجود اور عدم وجود برابر ہے۔ ہم آپ کو اور تمام مسلمانوں کو وصیت اور نصیحت کرتے ہیں کہ حق دیکھنے کے خواہشمندوں کو چاہئے کہ قرآن مجید، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی طرف رجوع کریں، اور ان شاء اللہ اس میں آپ لوگوں کا بہت فائدہ ہوگا، بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال رہے۔

دوسری تمام کتابوں کی اسانید و متون کی اصول حدیث اور علم اسماء الرجال کی رو سے تحقیق کرنے اور ثبوت کے بعد ہی ان سے استدلال جائز ہے۔

۵) امینی صاحب نے کسی عبدالحسین (!؟) شرف الدین موسوی (شیعہ) کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ”پیغمبر اکرمؐ نے ایک دفعہ حضرت علیؑ کی گردن پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ... یہ علیؑ نیکوکاروں کے امام اور فاجروں کو قتل کرنے والے ہیں۔ جس نے ان کی مدد کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے ان کی مدد سے منہ موڑا اس کی بھی مدد نہ کی جائے۔ امام حاکم نے اس حدیث کو مستدرک ج ۳، ص ۱۲۹ پر حضرت جابرؓ سے روایت کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ لیکن بخاری اور مسلم نے اسے درج نہیں کیا۔“ (شیعیت کا مقدمہ ص ۵۶-۵۷)

عرض ہے کہ مستدرک کی تلخیص میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

”بل والله موضوع، و أحمد كذاب...“ بلکہ اللہ کی قسم! (یہ روایت) موضوع ہے اور احمد (بن عبد اللہ بن یزید الحمرانی) کذاب ہے۔ (تلخیص المستدرک ج ۳ ص ۱۲۹ ح ۳۶۴۳)

کیا امینی صاحب کو یہ جرح نظر نہیں آئی یا پھر دال میں کالا ہی کالا ہے۔!؟

ابو جعفر احمد بن عبد اللہ بن یزید المؤدب کے بارے میں حافظ ابن عدی نے فرمایا:

”كان بسراً من رأي يضع الحديث“ وہ سرمن رأی (عراق کا ایک مقام) میں

حدیث گھڑتا تھا۔ (الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۱۹۵، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۳۱۶)

امام دارقطنی نے فرمایا: وہ عبد الرزاق وغیرہ سے منکر حدیثیں بیان کرتا تھا، اس کی

حدیث ترک کر دی جائے۔ (تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۲۰ و سندہ صحیح)

نیز دیکھئے الضعفاء والمتر وكون للدارقطني (ص ۱۲۸، ترجمہ ۶۸)
امام ابن عدی، امام دارقطنی اور حافظ ذہبی کی شدید جرح کے بعد یہاں حاکم کی تصحیح کا
کوئی اعتبار نہیں ہے۔

۶) امینی صاحب نے ایک اور روایت بھی لکھی ہے، جس میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ
نے علی (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا: ”أنت تبين لأمتي ما اختلفوا فيه من بعدي“ میرے
بعد میری امت اختلافات میں مبتلا ہوگی تو تم ہی راہ حق واضح کرو گے۔ ”اس حدیث کو امام
حاکم نے مستدرک ج ۳، ص ۱۲۲ پر درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم
کے بنائے ہوئے معیار پر صحیح ہے لیکن ان دونوں نے اس کا ذکر نہیں کیا نیز دیلمی نے حضرت
انسؓ سے روایت کی ہے جیسا کہ کنز العمال ج ۷ ص ۱۵۶ پر مذکور ہے۔“

(شیعیت کا مقدمہ ص ۵۷ حاشیہ)

عرض ہے کہ مستدرک کی اس روایت کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے:
”بل هو فيما اعتقده من وضع ضرار، قال ابن معين: كذاب“ بلکہ میں یہ
سمجھتا ہوں کہ اسے ضرار (بن مرد) نے بنایا ہے، ابن معین نے (اس کے بارے میں)
فرمایا: جھوٹا ہے۔ (تخصيص المستدرک ج ۳ ص ۱۲۲ ح ۴۶۲۰)

ابو نعیم ضرار بن مرد الکوئی پر امام بخاری اور جمہور محدثین نے جرح کی ہے اور امام ابن معین
رحمہ اللہ نے فرمایا: کوفہ میں دو کذاب (جھوٹے) ہیں: ابو نعیم النخعی اور ابو نعیم ضرار بن مرد۔
(کتاب الجرح والتعديل ج ۴ ص ۳۶۵ و سندہ صحیح)

ضرار بن مرد کی اس روایت کو اس کی منکر روایتوں میں شمار کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ امام
بخاری اور امام مسلم کا یہ معیار ہرگز نہیں ہے کہ وہ کذاب راویوں کی روایات سے استدلال
کریں، لہذا یہاں حاکم کی غلطیوں سے استدلال کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے؟

تنبیہ: سیوطی کی بیان کردہ (کنز العمال ۱۱/۶۱۵ ح ۳۲۹۸۳) دیلمی والی روایت بھی
ابو نعیم ضرار بن مرد ہی سے ہے۔ دیکھئے مسند الفردوس (مخطوط مصور ج ۳ ص ۱۳۵/۲)

(۷) اپنی صاحب نے بحوالہ تاریخ طبری (اردو ج ۱ ص ۸۹) ایک روایت لکھی ہے کہ نبی ﷺ نے (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں تمام بنو ہاشم کے سامنے اعلان فرمایا:

”إن هذا أخي و وصي و خليفتي فيكم فاسمعوا له و اطيعوا“ یہ میرا بھائی میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہے۔ تم اس کی بات سنو اور جو کہے اسے بجالاؤ۔

(شیعیت کا مقدمہ ص ۶۱، ۱۶۳-۱۶۴)

تاریخ ابن جریر الطبری کے ہمارے اصل عربی نسخے میں یہ روایت جلد ۲ صفحہ ۳۲۱ پر ہے اور اس کی سند میں ایک راوی عبد الغفار بن القاسم ابو مریم الانصاری (رافضی) ہے، جس کے بارے میں امام ابو داؤد الطیالسی نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ ابو مریم کذاب ہے، کیونکہ میں نے اس سے ملاقات کی ہے اور اس سے (احادیث کا) سماع کیا ہے۔

(کتاب الخلفاء للعقلمی ۱۰۰۳-۱۰۱۱، دسندہ حسن)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ”و عامة حديثه هو اطليل“ اس کی عام حدیثیں باطل ہیں۔ (کتاب الجرح والتعديل ج ۶ ص ۵۳ دسندہ صحیح)

اس سند میں محمد بن حمید الرازی بھی سخت مجروح اور محمد بن اسحاق بن یسار مدلس ہیں، لیکن یہ روایت عبد الغفار بن القاسم کی وجہ سے موضوع ہے۔

(۸) اپنی صاحب نے لکھا ہے: ”ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ بہ تحقیق غدیر خم کے روز جناب رسالت مآب ﷺ نے لوگوں کو بلا کر درخت کے نیچے جھاڑو دینے کا حکم دیا۔ وہاں سے کانٹوں کو جھاڑو سے دور کیا گیا۔ پھر آپؐ نے علیؓ کو بلوا کر ان کے دونوں بازو پکڑ کر اٹھائے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے حضرتؐ کی بغل کی سفیدی کو ملاحظہ کیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں پس اس کا علیؓ مولا ہے۔ پھر ابھی لوگ متفرق نہیں ہوئے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ ”آج کے روز میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کیا ہے اور میں نے اپنی نعمت کو تم پر پورا کیا ہے۔ پس رسالت مآبؐ نے فرمایا: اللہ اکبر دین کے کامل ہو جانے اور نعمت کے پورا ہونے اور میری رسالت اور علیؓ کی ولایت پر خدا کے راضی ہونے پر۔“

(شيعیت کا مقدمہ ص ۱۷۱، بحوالہ ارجح المطالب ص ۸۰، أبو نعیم و أبو بکر مردویہ عنہ و عن أبي هريرة، و

السيوطي في الدر المنثور والديلمي (صح) و أبو نعیم فيما نزل من القرآن في علي)

عرض ہے کہ اس روایت کی کوئی سند اہل سنت کی کتابوں میں موجود نہیں ہے اور نہ ابو نعیم و ابن مردویہ کی روایتوں کی اسانید کا علم ہو سکا ہے۔ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ درمنثور (۳۹۸/۲) میں بھی نہیں ملی اور نہ دیلمی کی سند کا نام و نشان ملا ہے، لہذا یہ بے سند روایت موضوع ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے صدیوں پہلے اس روایت کی سند پیش کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ دیکھئے منہاج السنۃ البدویہ (ج ۳ ص ۱۵)

حافظ ذہبی نے اسے موضوع قرار دیا۔ دیکھئے المغنی من منہاج السنۃ (ص ۴۲۵) اہنی صاحب اور ان کے ساتھیوں سے درخواست ہے کہ ہمت اور کوشش کر کے کہیں سے اس روایت کی سند پیش کریں تاکہ راویوں کی تحقیق کی جاسکے اور اگر سند پیش نہ کر سکیں تو پھر اس بے سند موضوع روایت کو عوام الناس کے سامنے کیوں پیش کر رہے ہیں؟ اگر شیعہ کی کتابوں، مثلاً اصول کافی سے ہم کوئی ضعیف و مردود روایت پیش کر دیں تو کیا شیعہ اسے تسلیم کر لیں گے؟

فی الحال اصول کافی کی دو روایتیں پڑھ لیں:

۱: ابو عبد اللہ علیہ السلام (شیعہ کے نزدیک معصوم امام) سے روایت ہے کہ ”إن

العلماء ورثة الأنبياء و ذاك أن الأنبياء لم يورثوا درهما ولا ديناراً ...“

بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں، یہ اس لئے کہ انبیاء نے درہم و دینار کی وراثت نہیں

چھوڑی... الخ (الاصول من الکافی ج ۱ ص ۳۲ باب مفضل العلم و فضل العلماء ج ۲)

اس کے راوی ابوالخیر ی و ہب بن و ہب کے بارے میں امام قاضی (شیعہ) نے لکھا ہے:

”فی غاية الضعف“ یعنی بہت زیادہ ضعیف۔

(تنقیح المقال فی علم الرجال ج ۱ ص ۱۶۱، راوی نمبر ۱۲۷۰۹)

کیا خیال ہے شیعہ اصول کی رو سے اس سخت ضعیف روایت کو شیعہ کے خلاف پیش

کرنا جائز ہے؟

۲: اصول کافی کی ایک روایت (عن ابی عبد اللہ علیہ السلام) کا خلاصہ یہ ہے کہ جب نبی ﷺ پیدا ہوئے تو آپ کے لئے دودھ نہیں تھا پھر آپ کو ابو طالب نے اپنی پستانوں پر ڈال دیا تو اللہ نے ان میں دودھ اُتار دیا، پھر آپ (ﷺ) اُس سے کئی دن تک دودھ پیتے رہے حتیٰ کہ ابو طالب نے آپ کو حلیمہ سعدیہ سے ملاقات کر کے اُن کے حوالے کر دیا۔

(الاصول من الکافی ج ۱ ص ۳۳۸ کتاب المجاہد باب تاریخ مولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ و آلہ و صحابہ ج ۲)

اس کے راوی علی بن ابی حمزہ سالم البطائی کے بارے میں اصول کافی کے حاشیے پر لکھا

ہوا ہے: ”کذاب متهم ملعون روی الکشي في ذمه اخباراً كثيرة“

کذاب متهم ملعون، کشي نے اس کی مذمت میں بہت سی روایتیں بیان کی ہیں۔ (ص ۳۳۸)

ما مقالی نے کہا: ”قوي يؤخذ بخبره مالم يعارض الخبر الصحيح“

وہ قوی ہے، اس کی خبر جب صحیح خبر کے معارض نہ ہو تو اُسے لیا جاتا ہے یعنی قبول کیا جاتا

ہے۔ (تنقيح المقال ج ۱ ص ۱۰۵، ت ۸۱۱)

انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی فریق بھی کسی کے خلاف ایسی روایت ہرگز پیش نہ کرے

جو اُس کے نزدیک حجت نہیں ہے۔

یہاں پر بطور خیر خواہی اور اصلاح عرض ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک قوم میرے

ساتھ محبت کرے گی حتیٰ کہ وہ میری محبت (میں غلو) کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوگی اور ایک

قوم میرے ساتھ بغض رکھے گی حتیٰ کہ وہ میرے بغض کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوگی۔

(فضائل الصحابہ للإمام احمد ۲/۵۶۵ ج ۹۵۲ و سندہ صحیح، کتاب السنہ لابن ابی عامر: ۹۸۳ و سندہ صحیح)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا: ”يهلك في رجلان: مفروط غالي و مبغض قال“

میرے بارے میں دو قسم کے آدمی ہلاک ہو جائیں گے: افراط کرنے والا غالی اور بغض

رکھنے والا حجت باز۔ (فضائل الصحابہ ۲/۵۷۱ ج ۹۶۳ و سندہ حسن لذات)

ان بیانات میں امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے شیعہ اور خوارج و نو اصب کی ہلاکت کی خبر دی ہے اور چونکہ ان روایتوں کا تعلق غیب سے ہے، لہذا یہ حکماً مرفوع ہیں۔

دیکھئے ماہنامہ الحديث حضور و عدد ۴ ص ۱۵-۱۶

۹) امینی صاحب نے وحید الزمان حیدر آبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی دونوں سے ایک حدیث نقل کی کہ ”جو شخص مر جائے اور اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانے، اس کی موت جاہلیت کی سی موت ہوگی“ (شیعیت کا مقدمہ ص ۱۹۰-۱۹۱، واللفظ الاول)

وحید الزمان نے کہا: ”اگرچہ یہ حدیث اہلسنت کے عقائد کی کتابوں میں اس لفظ سے مذکور ہے، مگر حدیث کی کتابوں میں مجھے اس لفظ سے نہیں ملی۔“

امینی صاحب لکھتے ہیں: ”اس سے اس حدیث پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔“

(شیعیت کا مقدمہ ص ۱۹۱)

عرض ہے کہ کیوں اثر نہیں پڑتا؟ کیا بے سند روایت مردود نہیں ہوتی؟ کیا شیعہ کے خلاف بھی بے سند روایتیں پیش کرنا جائز ہے؟ یاد رہے کہ یہاں عقائد کی کتابوں سے مراد بعض متاخرین اہل بدعت کی غیر مستند اور بے سند کتابیں ہیں جنہیں اہل سنت کے عقائد کی کتابیں قرار دینا غلط ہے۔

روایت مذکورہ کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا:

”بل واللہ ما قالہ الرسول ﷺ ہکذا“ بلکہ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے اس طرح نہیں فرمایا ہے۔ (المستغنی من منہاج السنہ ص ۲۸)

حافظ ابن تیمیہ نے اس حدیث کی سند کا مطالبہ کیا تھا۔ (دیکھئے منہاج السنہ النبویہ ج ۱ ص ۲۶) مگر آج تک کوئی شیعہ یا غیر شیعہ اس کی سند پیش نہیں کر سکا اور یہ اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ روایت مذکورہ موضوع ہے۔

۱۰) امینی صاحب نے عبدالحی لکھنوی صاحب سے نقل کیا ہے کہ ”عن معاذ ان رسول اللہ ﷺ کان اذا قام فی الصلوۃ رفع یدہ معال اذنیہ فاذا کبر

ارسلہما (رواہ الطبرانی) جناب معاذ فرماتے ہیں کہ آنحضرت نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے وقت ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا کر بلند کرتے اور پھر انہیں کھلا چھوڑ دیتے۔“ (فتاویٰ شیخ عبدالحی لکھنوی ج ۱، ص ۳۲۶ طبع اول، شیعیت کا مقدمہ ص ۲۳۶-۲۳۷)

عرض ہے کہ یہ روایت طبرانی کی المعجم الکبیر (ج ۲۰ ص ۷۳ ح ۱۳۹) میں خصب بن جحدر کی سند سے موجود ہے اور اس روایت کے بارے میں حافظ یثربی نے کہا: ”رواہ الطبرانی فی الکبیر وفیہ الخصب بن جحدر وهو کذاب“ اسے طبرانی نے الکبیر میں روایت کیا اور اس میں خصب بن جحدر (راوی) ہے اور وہ کذاب (جھوٹا) ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۲)

خصب بن جحدر کے بارے میں امام یحییٰ بن سعید القطان نے فرمایا: وہ جھوٹا تھا۔

(تاریخ ابن معین رولۃ الدورۃ: ۳۳۷)

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ”الخصب بن جحدر کذاب“

(کتاب المرح والتعذیل ۳/۳۹۷ سندہ صحیح)

تفصیل کے لئے اسماء الرجال کی اصل کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

مختصر یہ کہ یہ روایت موضوع ہے۔

اینی صاحب کی کتاب ”شیعیت کا مقدمہ“ سے یہ دس جھوٹی اور من گھڑت روایتیں بطور نمونہ پیش کی ہیں، تاکہ اہل سنت کی آنکھیں کھل جائیں کہ اُن کے ساتھ کس کس طرح کے فراڈ کئے جا رہے ہیں اور قرآن و حدیث کا نام لے کر انھیں صراطِ مستقیم سے ہٹانے کے لئے کیا کیا جتن کئے جا رہے ہیں۔

یہ قطعاً کافی نہیں ہوتا کہ عبدالحی لکھنوی نے لکھا ہے یا عبید اللہ امرتسری نے لکھا ہے، طبرانی نے روایت کیا ہے یا امام ترمذی نے روایت کیا ہے، یہ مسند احمد میں درج ہے یا تاریخ دمشق لابن عساکر میں درج ہے، وغیرہ وغیرہ، بلکہ ہر روایت اور ہر حوالے کا صحیح و ثابت ہونا ضروری ہے اور ایسا کام صحیح تحقیق کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

ایمنی صاحب نے کتاب مذکور میں بہت سی ضعیف و مردود روایات بھی لکھی ہیں اور کئی غیر ثابت اور موضوع کتابوں سے بھی استدلال کیا ہے، مثلاً نوح البلاغہ کے نام سے جو کتاب پیش کی جاتی ہے، اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہیں لکھا بلکہ ان کی شہادت کے صدیوں بعد بغیر کسی سند کے شریف رضی نامی آدمی نے لکھا ہے، لہذا یہ ساری کتاب قابل اعتماد نہیں ہے۔

دیکھئے میزان الاعتدال للذہبی (۱۲۴/۳) سیر اعلام النبلاء (۵۸۹/۱۷-۵۹۰)

لسان المیزان (۲۲۳/۴) اور کتب حذر منها العلماء (ج ۲ ص ۲۵۰-۲۵۷)

ایمنی صاحب نے شیعہ کتابوں مثلاً اصول کافی وغیرہ کے حوالوں میں بھی کسی تحقیق سے کام نہیں لیا، بلکہ شیعہ کے نزدیک بھی ضعیف و مجہول روایتیں لکھ کر اپنی کتاب کے صفحات بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً:

۱: ایمنی صاحب نے کہا: ”امام جعفر صادقؑ بڑے واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:

من خالف کتاب اللہ و سنة محمد فقد کفر“

جس نے کتاب خدا اور سنت محمدؐ کی مخالفت کی اس نے کفر کیا۔ (۱۷)

(شیعیت کا مقدمہ ص ۲۱۳ بحوالہ الثانی ترجمہ اصول کافی ج ۱ ص ۱۰۵، ج ۱ ص ۱۲۳)

روایت مذکورہ الکافی کے عربی نسخے میں صفحہ ۷۰ پر ہے اور اس کا بنیادی راوی ”بعض اصحابہ“ یعنی ابن ابی عمیر کے ساتھیوں میں سے کوئی ہے جو کہ مجہول ہے، لہذا یہ روایت مردود ہے۔

دوسری روایت: ”ومن ترک کتاب اللہ و قول نبیہ کفر“ (الکافی ج ۱ ص ۱۰۵)

اس میں محمد بن ابی عبد اللہ یعنی محمد بن جعفر بن عون الاسدی ہے جو کہ مجمرہ اور مشبہ فرقوں میں سے تھا اور یونس بن عبد الاعلیٰ سے اس کا یہ روایت سننا ثابت نہیں ہے بلکہ امامتانی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی مرسل روایتیں حجت نہیں ہیں۔

(دیکھئے تنقیح المقال ج ۲ ص ۹۵ تا ۱۰۵)

یاد رہے کہ الفاظ متن کا صحیح المعنی ہونا اس کی دلیل نہیں کہ قائل مذکور نے ضروریہ الفاظ

کہے تھے یا کہے ہوں گے۔

۲: ائنی صاحب نے لکھا ہے:

”اصول کافی میں ایک باب ہے جس میں امام کی صفات کا بیان ہے اس میں امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: الامام يحل حلال الله و يحرم حرام الله یعنی امام حلال کرتا ہے حلال خدا کو اور حرام کرتا ہے حرام خدا کو (۲۰)“

(شیعیت کا مقدمہ ص ۲۱۱، الجزء الثاني ترجمہ اصول کافی ج ۲ ص ۶۱)

ہمارے نسخہ (مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ تہران، بازار سلطانی) میں ج ۱ کے صفحہ ۲۰۰ پر یہ روایت موجود ہے اور اس کا راوی ابو محمد القاسم بن العلاء مہمل (جس میں جرح و تعدیل نہ ہو یعنی مجہول الحال) ہے۔ دیکھئے تنقیح المقال (ج ۱ ص ۱۲۳ تا ۱۵۹۰) قاسم بن العلاء سے عبد العزیز بن مسلم تک سند بھی نامعلوم ہے۔

مختصر یہ کہ یہ دونوں روایتیں شیعہ اصول کی رو سے بھی ضعیف ہیں، لہذا ائنی صاحب نے انہیں پیش کر کے اہل سنت اور شیعہ دونوں گروہوں کو دھوکا دیا ہے۔

ائنی صاحب نے ثابت شدہ اور ناقابل تردید حقیقتوں کا بھی انکار کیا ہے، مثلاً عبد اللہ بن سبا یہودی کا وجود اہل سنت اور شیعہ دونوں کی کتابوں میں ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جس کا ثبوت صحیح اور متواتر روایات سے ثابت ہے۔

ائنی صاحب نے لکھا ہے:

”عبد اللہ بن سبا کی فرضی شخصیت اور شیعوں کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈا“

(شیعیت کا مقدمہ ص ۹۶)

حالانکہ عبد اللہ بن سبا کی شخصیت فرضی نہیں بلکہ وہ تاریخ کا حقیقی کردار تھا اور یہ شیعوں کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈا نہیں بلکہ حق اور سچ کا اظہار ہے، لہذا اسے تاریخی غلط فہمی قرار دینا غلط ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن سبا کو کالاً خبیث کہا۔ (التاریخ الکبیر للابن ابی خیر: ۱۳۹۸، سند صحیح)

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: توضیح الاحکام یعنی فتاویٰ علمیہ (ج ۱ ص ۱۵۳-۱۵۹)
 امام ابو عبد اللہ جعفر بن محمد الصادق رحمہ اللہ نے فرمایا: عبد اللہ بن سبا پر اللہ لعنت
 کرے، اُس نے امیر المومنین (علی رضی اللہ عنہ) کے بارے میں رب ہونے کا دعویٰ کیا۔ الخ
 (رجال کشی ص ۱۰۷، روایت نمبر ۱۷۲، سندہ صحیح عند الشیخ)
 ہشام بن سالم، کشی اور ابو محمد حسن بن موسیٰ النوبختی وغیرہم نے اس کا ذکر کیا ہے، بلکہ مامقانی
 نے کہا: عبد اللہ بن سبا ملعون ہے، اسے علی علیہ السلام نے جلادیا تھا۔

(تنقیح المقال ج ۱ ص ۸۹، راوی نمبر ۶۸۷)
 امینی صاحب کی ”خدمت“ میں عرض ہے کہ اس قطعی الثبوت حقیقت کا انکار ڈاکٹر طہ
 حسین مصری وغیرہ گمراہوں نے شر القردن میں کیا ہے اور اس انکار کی کوئی حیثیت
 نہیں ہے۔

آخر میں اہل سنت بھائیوں کی خدمت میں درخواست ہے کہ ضعیف اور مردود
 روایات کو کلیتاً چھوڑ دیں بلکہ صحیح اور ثابت روایات کو اپنا منہج اور نصب العین بنائیں۔ اگر
 آپ نے یہ منہج اختیار کر لیا تو یاد رکھیں کہ آپ کے مقابلے میں تمام فرقے مثلاً خوارج، شیعہ،
 جہمیہ، مرجیہ، معتزلہ، قدریہ، جبریہ، نواصب اور منکرین حدیث وغیرہ ہمیشہ ناکام رہیں گے۔

ان شاء اللہ
 ہر کتاب کو اٹھا کر آنکھیں بند کر کے صاحب کتاب کے پیچھے نہ دوڑیں، بلکہ تحقیق
 کریں اور صحیح العقیدہ علمائے حق سے مضبوط تعلق اور رابطہ قائم کریں، کتاب و سنت یعنی
 قرآن و حدیث اور پھر اجماع و فہم سلف صالحین کو مد نظر رکھیں، سچائی کا راستہ اختیار کریں، حق
 اور اہل حق کے لئے الولاء (والہانہ محبت اور پیار) اور باطل و اہل باطل کے لئے البراء
 (بغض اور براءت) کا راستہ اپنائیں تو کبھی گمراہ نہیں ہوں گے۔ ان شاء اللہ

انہی گذارشات پر آپ سے رخصت چاہتا ہوں۔ و ما علینا الا البلاغ

(۱۳/ جولائی ۲۰۱۰ء)

تذکرۃ الاعیان

حافظ زبیر علی زئی

حمید بن ابی حمید الطویل رحمہ اللہ

مشہور ثقہ تابعی اور کثیر احادیث کے راوی امام حمید الطویل رحمہ اللہ کا مختصر اور جامع تذکرہ درج ذیل ہے:

ولادت: ۶۷ یا ۶۸ھ

نام و نسب: ابو عبیدہ حمید بن ابی حمید الطویل البصری رحمہ اللہ
آپ کے والد کے نام میں دس مختلف اقوال ہیں، لیکن یہ اختلاف یہاں روایت حدیث میں قطعاً مضرت نہیں ہے۔

اساتذہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ، امام ثابت بن اسلم البنانی اور امام حسن بصری وغیرہم رحمہم اللہ

تلامذہ: امام اسماعیل بن ابراہیم عرف ابن علیہ، امام حماد بن زید، امام حمید الطویل کے بھانجے امام حماد بن سلمہ، امام زہیر بن معاویہ اور امام شعبہ وغیرہم رحمہم اللہ
روایت حدیث میں مقام: آپ کے ثقہ ہونے پر اتفاق ہے۔

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ثقہ۔ (کتاب الجرح والتعديل ۳/۲۱۹ و سندہ صحیح)

امام ابو حاتم الرازی نے فرمایا: ثقہ لا باس بہ۔ (ایضاً ص ۲۱۹)

امام ابوالحسن العجلی نے فرمایا: ”تابعی ثقہ وهو خال حماد بن سلمة“ ثقہ تابعی اور وہ حماد بن سلمہ کے ماموں تھے۔ (التاریخ: ۳۷۰، دوسرا نسخہ: ۳۳۵)

حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (۱۳۸/۲)

اور مورخ ابن سعد نے کہا: ”وكان حميد ثقة كثير الحديث إلا أنه ربما دلّس عن أنس بن مالك“ وہ ثقہ تھے، کثرت سے حدیثیں بیان کرتے تھے، لیکن بعض اوقات انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے تدلیس کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد ۷/۲۵۲) وغیر ذلک۔

تدلیس کا مسئلہ: متعدد علمائے حدیث نے انھیں مدلس قرار دیا، مثلاً حافظ ذہبی نے فرمایا:

”ثقة جلیل، مدلس“ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۶۱۰)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: ”ثقة مدلس“ (تقریب الجذیب: ۱۵۴۳)

حافظ ابن حجر نے انھیں مدلسین کے طبقہ ثالثہ میں ذکر کیا، جن کی حدیث حافظ صاحب کے نزدیک بھی حجت نہیں ہوتی اور کہا: انس (رضی اللہ عنہ) کے شاگرد (اور) مشہور ہیں، وہ ان سے بہت زیادہ تدلیس کرتے تھے حتیٰ کہ یہ کہا گیا: ان کی ان (سیدنا انس رضی اللہ عنہ) سے عام حدیثیں ثابت اور قتادہ کے واسطے سے ہیں۔ (طبقات المدلسین ص ۸۶)

دوسری طرف امام حمید الطویل کے بھانجے امام حماد بن سلمہ نے فرمایا: ”عامۃ ما یروى حمید عن أنس سمعه من ثابت“ حمید نے انس (رضی اللہ عنہ) سے جو عام روایتیں بیان کیں، وہ انھوں نے ثابت سے سنیں۔ (المجذبات للبغوی: ۱۴۶۹، وسندہ حسن، دوسرا نسخہ: ۱۵۱۹)

امام شعبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ”لم یسمع حمید من أنس إلا أربعة و عشرين حديثاً، و الباقي سمعها أو أثبتہ فیہا ثابت“

حمید نے انس سے صرف چوبیس حدیثیں سنیں اور باقی ثابت (البنانی) سے سنیں یا انھوں نے سمجھایا۔ (تاریخ ابن عیین، رولۃ الدورۃ: ۳۵۸۲ وسندہ صحیح)

یہ قول ذکر کر کے حافظ علانی نے کہا: ”فعلى تقدير أن يكون مراسيل قد تبين الواسطة فیہا وهو ثقة محتج به“ پس اس لحاظ سے یہ مراسیل روایتیں بنتی ہیں جن کا واسطہ معلوم ہو چکا ہے اور وہ (ثابت البنانی) ثقہ حجت تھے۔ (جامع التخیل ص ۱۶۸، رقم ۱۴۳)

امام ابن عدی نے فرمایا: ”و سمع الباقي من ثابت عنه“

اور انھوں نے باقی (تمام) روایات ثابت (البنانی) سے سنیں، انھوں نے وہ انس (رضی اللہ عنہ) سے بیان کیں۔ (اکال ۲/۶۸۴، دوسرا نسخہ ۳/۶۷)

حافظ ابن حبان نے فرمایا: اور وہ (حمید الطویل) تدلیس کرتے تھے، انھوں نے (ابن حبان کی تحقیق کے مطابق) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے اٹھارہ حدیثیں سنیں اور باقی ثابت

(البنائی) سے سنیں، پھر ان سے تدلیس کر دی۔ (کتاب الثقات ۱۳۸/۴)
 امام ابو حاتم الرازی اور امام ابو زرہ الرازی دونوں نے حمید عن انس والی سند کے
 مقابلے میں حمید عن ثابت عن انس کی سند کو صحیح قرار دیا اور فرمایا: ”وکان حمید کثیراً ما
 یومسل“ اور حمید کثرت سے ارسال کرتے تھے۔ (علل الحدیث: ۲۰۷۱)
 قول مذکور میں ارسال سے مراد تدلیس ہے۔
 اس تحقیق کا خلاصہ درج ذیل ہے:

- ۱: حمید الطویل مدلس تھے۔
- ۲: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے حمید الطویل کی معنعن روایت بھی صحیح ہوتی ہے۔
- تنبیہ: حافظ ابن حجر نے طبقات المدلسین میں یہ اشارہ کیا ہے کہ حمید الطویل قتادہ عن
 انس کی سند والی تدلیس بھی کرتے تھے، یعنی قتادہ کو درمیان سے گرا دیتے تھے، لیکن یہ بات
 صحیح سند سے ثابت نہیں۔ اس کا راوی درست ہالک (سخت مجروح) تھا۔
 دیکھئے تہذیب التہذیب (۴۰/۳، دوسرا نسخہ ۳۶/۳)

حافظ ابن حجر نے ثقہ امام ابو بکر (احمد بن ہارون) البردبجی سے کسی سند کے بغیر نقل کیا:
 ”و اما حدیث حمید فلا یحتج منه إلا بما قال حدثنا انس“
 اور رہی حمید کی حدیث تو حجت نہیں، سوائے اس کے جس میں وہ حدثنا انس کہیں۔

(تہذیب التہذیب ۴۰/۳، دوسرا نسخہ ۳۵/۳)

یہ قول بھی مذکورہ بالا وضاحت اور خاص دلیل کی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔
 راقم الحروف نے حافظ ابن حجر اور ابو بکر البردبجی وغیرہما پر اعتماد کرتے ہوئے سیدنا
 انس رضی اللہ عنہ سے حمید الطویل کی کئی معنعن روایات کو ضعیف قرار دیا تھا، لیکن اب صحیح واسطہ اور
 خاص دلیل معلوم ہونے کے بعد میں رجوع کرتا ہوں اور صحیح یہ ہے کہ حمید کی انس رضی اللہ عنہ سے
 معنعن روایت بھی صحیح ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

وفات: ۱۳۲، یا ۱۳۳ھ، آپ حالت نماز میں فوت ہوئے۔ رحمہ اللہ (۲۷/۲ مئی ۲۰۱۱ء)

حافظ زبیر علی زئی

روزے کی حالت میں ہانڈی وغیرہ کا چکھنا؟

امام بخاری نے فرمایا: ”و قال ابن عباس : لا بأس أن يتطعم القدر أو الشئ“
اور ابن عباس (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: ہانڈی یا کسی چیز کو چکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الصوم باب اغتسال الصائم قبل حديث: ۱۹۳۰، تعلیقاً)

یہ روایت ”شريك عن سليمان عن عكرمة عن ابن عباس“

کی سند سے درج ذیل کتابوں میں ہے:

- ۱: مصنف ابن ابی شیبہ (۳/۴۷۸ ح ۹۲۷۸) عن شريك
- ۲: مسند علی بن الجعد (۲۴۰۶) من حديث شريك و عنه علي بن الجعد
- ۳: السنن الكبرى للبيهقي (۲/۲۶۱ ح ۲۶۱) من حديث علي بن الجعد عن شريك
- ۴: تغليق التعليق (۱۵۲/۳) للحافظ ابن حجر من طريق علي بن الجعد

یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

- ۱: شريك بن عبد الله القاضي مدلس ہیں اور سند عن سے ہے۔
شريك کی تدلیس کے لئے دیکھئے نصب الراية (۳/۲۳۲) المحلی (۸/۲۶۳، ۱۰/۳۳۳)
اور طبقات المدلسین لابن حجر (۲/۵۶) وهو من المرتبة الثالثة في القول الراجح.
 - ۲: سليمان بن مهران الأعمش مدلس تھے اور سند عن سے ہے۔
اعمش کی تدلیس کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحديث حضور: ۶۶ ص ۷
- ☆ اس روایت کی دوسری سند میں جابر بن یزید الجعفی ہے۔
دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۳/۴۷۸ ح ۹۲۷۸)
- جابر جعفی سخت ضعیف اور راہ شخص تھا۔ دیکھئے تہذیب التہذیب، میزان الاعتدال اور
تقریب التہذیب وغیرہ، لہذا یہ سند باطل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت اپنی دونوں سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔
 فائدہ: عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ (تابعی) روزے کی حالت میں مٹی میں شہد چکھ لیتے تھے۔
 دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۳/۴۷۷ ح ۹۲۸۰ وسندہ حسن)
 ثابت ہوا کہ شدید شرعی عذر ہو، مثلاً کسی عورت کا شوہر سخت مزاج ہو تو اس کے لئے روزے کی حالت میں ہانڈی وغیرہ چکھنے میں کوئی حرج نہیں اور اسی طرح خریدتے وقت بھی اس چیز کو چکھا جاسکتا ہے جس میں یہ احتمال ہو کہ بچنے والا دھوکا دے رہا ہے، یا یہ خوف ہو کہ دھوکا نہ دے دے تو بھی ایسی چیز کو معمولی سا چکھ لینا جائز ہے، لیکن نہ چکھے تو بہتر ہے۔ واللہ اعلم
 تنبیہ: اسے ضرورت کے وقت چکھنے کے بعد تھوک دینا چاہئے۔ (۲۹/اگست ۲۰۱۰ء)

شذرات الذہب

سعید بن جبیر رحمہ اللہ مشہور ثقہ تابعی تھے، جنہیں حجاج بن یوسف (ظالم) نے شہید کیا تھا۔ سعید بن جبیر نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث بیان کی تو اہل مکہ میں سے ایک آدمی نے کہا: اللہ تو اپنی کتاب میں یہ کہتا ہے؟ پس وہ (سعید بن جبیر رحمہ اللہ) بہت زیادہ غضبناک ہوئے اور فرمایا: میں یہی سمجھتا ہوں کہ تم کتاب اللہ کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے ٹکراتے ہو اور رسول اللہ (ﷺ) اللہ کی کتاب کو تم سے زیادہ جانتے تھے۔

(الجامع للخطیب تحقیق محمد عجاج الخطی ۳۰۲/۳۵۳ وسندہ صحیح، تحقیق محمود الطحان ۲۲۰/۳۵۰)
 معلوم ہوا کہ صحیح حدیث کے خلاف عموم قرآن سے استدلال نہیں کرنا چاہیے، جیسا کہ امام خطیب بغدادی نے اثر مذکور سے پہلے لکھا ہے: ”و كذلك يجب أن لا يعترض عليه بعموم القرآن لجواز أن يكون ذلك الحديث مما خص به كتاب الله عز وجل“ اور اسی طرح ضروری ہے کہ اس (حدیث) کے خلاف عموم قرآن سے اعتراض نہ کیا جائے، کیونکہ یہ جائز ہے کہ اس حدیث نے کتاب اللہ عز وجل کے عموم کی تخصیص کر رکھی ہو۔ (الجامع ۳۰۲/۳۵۳، دوسرا نسخہ ۱۹۹-۲۰۰)

حافظ زبیر علی زکی

محدثین کرام اور ضعیف + ضعیف کی مروجہ حسن لغیرہ کا مسئلہ؟

جلیل القدر محدثین کرام نے ایسی کئی احادیث کو ضعیف و غیر ثابت قرار دیا، جن کی بہت سی سندیں ہیں اور ضعیف + ضعیف کے اصول سے بعض علماء انھیں حسن لغیرہ بھی قرار دیتے ہیں، بلکہ بعض ان میں سے ایسی روایات بھی ہیں جو ہماری تحقیق میں حسن لذاتہ ہیں۔ اس مضمون میں ایسی دس روایات پیش خدمت ہیں جن پر اکابر علمائے محدثین نے جرح کی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ضعیف + ضعیف والی مروجہ حسن لغیرہ کو حجت نہیں سمجھتے تھے:

(۱) حدیث: لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه.

جو شخص وضو پر بسم اللہ نہ پڑھے اُس کا وضو نہیں ہوتا۔

اس حدیث کی چند اسانید درج ذیل ہیں:

۱: عن سعيد بن زيد رضي الله عنه . (ترمذی: ۲۵، ابن ماجہ: ۳۹۸)

۲: عن أبي هريرة رضي الله عنه . (ابوداؤد: ۱۰۱، ابن ماجہ: ۳۹۹، احمد: ۲/۲۱۸، ح ۹۴۰۸)

۳: عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه . (ابن ماجہ: ۳۹۷، دارمی: ۶۹۷، احمد: ۳/۴۱)

اس سلسلے کی مزید روایات کے لئے ابواسحاق الحوينی کا رسالہ ”كشف المغبوء بثبوت حديث التسمية عند الوضوء“ دیکھیں اور اس رسالہ میں حوینی مذکور نے ضعیف + ضعیف والی مروجہ حسن لغیرہ روایت کے دفاع کی ناکام کوشش بھی کر رکھی ہے۔!!

امام ابو زرہ الدمشقی نے فرمایا: میں نے ابو عبد اللہ احمد بن حنبل (رحمہما اللہ) سے پوچھا کہ لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے فرمایا: اس بارے میں احادیث قوی نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے چہرے اور کہنیوں تک ہاتھ دھو، پس اللہ نے تسمیہ کو واجب قرار نہیں دیا اور یہ قرآن ہے اور اس کے بارے میں سنت (حدیث) ثابت نہیں ہے۔ (تاریخ ابی زرہ الدمشقی: ۱۸۲۸)

امام ابن ہانی نے کہا: میں نے اُن (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص وضو کے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو؟ انھوں نے فرمایا: ”يجزئہ ذلك، حديث النبي ﷺ ليس إسناده بقوي“ اس کا وضو ہو جائے گا، بسم اللہ کے بارے میں نبی ﷺ کی (طرف منسوب) حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔ (مسائل ابن ہانی: ۱۷)

امام اسحاق بن منصور الکونج نے امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ سے پوچھا: اگر وضو کرے اور بسم اللہ نہ پڑھے تو؟ انھوں نے فرمایا: ”لا أعلم فيه حديثاً له إسناده جيد.“ مجھے اس بارے میں ایسی کوئی حدیث معلوم نہیں جس کی سند اچھی ہو۔

(مسائل احمد واسحاق رولہ اسحاق بن منصور الکونج ۱/۶۸ فقرہ ۲)

ثابت ہوا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ضعیف + ضعیف والی مروجہ حسن لغیرہ روایت کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

تنبیہ: ہماری تحقیق میں سنن ابن ماجہ (۳۹۷) وغیرہ والی حدیث حسن لذاتہ ہے، لہذا وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اور جو شخص اقامت حجت کے بعد بسم اللہ نہ پڑھے تو اس کا وضو نہیں ہوتا۔

۲) حدیث: داڑھی کا خلال کرنا یعنی وضو کے دوران میں تخلیل اللحية۔

اس حدیث کی چند سندیں درج ذیل ہیں:

۱: عن عمار بن ياسر رضي الله عنه . (ترمذی: ۲۹۰، ابن ماجہ: ۴۲۹، الحاکم: ۱/۱۴۹)

۲: عن عثمان بن عفان رضي الله عنه . (ترمذی: ۳۱، ابن ماجہ: ۳۴۰، حاکم: ۱/۱۴۹، بیہقی: ۵۴/۱)

۳: عن أنس بن مالك رضي الله عنه . (ابوداؤد: ۱۴۵، بیہقی: ۵۴/۱)

امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”لا يثبت عن النبي ﷺ في تخليل اللحية حديث“ نبی ﷺ سے داڑھی کے خلال کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ (علل الحديث ۱/۲۵۲ ح ۱۰۱)

ثابت ہوا کہ امام حاتم کے نزدیک ضعیف + ضعیف والی مروجہ حسن لغیرہ روایت حجت

نہیں ہے۔ نیز دیکھئے تاریخ بغداد (۲/۷۶ ت ۴۵۵) اور الحدیث حضور: ۸۳ ص ۲۵
داڑھی کے خلال والی حدیث کے بارے میں ابن حزم نے کہا: اور ان تمام روایات میں سے
کوئی چیز بھی صحیح نہیں۔ (المکلی ۳۶۲ مسئلہ ۱۹۰)

تنبیہ: میرے نزدیک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ والی حدیث حسن لذاتہ ہے اور ثقہ راوی اسرائیل
بن یونس پر ابن حزم کی جرح جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

(۳) حدیث: جو شخص کسی میت کو نہلائے تو وہ غسل کرے۔

اس حدیث کی چند سندیں درج ذیل ہیں:

۱: القاسم بن عباس عن عمرو بن عمیر عن أبي هريرة رضي الله عنه .

(ابوداؤد: ۳۱۶۱، بیہقی: ۳۰۳/۱)

۲: إسحاق مولى زائدة عن أبي هريرة رضي الله عنه . (ابوداؤد: ۳۱۶۲)

وسقط ذكره من رواية الترمذي (۹۹۳) وقال: "حديث حسن"

۳: الحارث بن مخلد عن أبي هريرة رضي الله عنه .

(بیہقی: ۳۰۱/۱ والسند إلى الحارث حسن)

۴: عن صالح مولى التوأمة عن أبي هريرة رضي الله عنه .

(بیہقی: ۳۰۲/۱، احمد: ۴۳۳/۲ ح ۹۶۰۱)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی سندیں ہیں، لیکن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

"لا يصح الحديث فيه ولكن يعوضا" اور اس میں حدیث صحیح نہیں، لیکن وہ وضو کرے۔

(مسائل الامام احمد رویۃ صالح بن احمد: ۳۶۰ فقرہ: ۵۷۴)

اور فرمایا: "ليس فيه حديث يثبت" اور اس میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔

(مسائل الامام احمد رویۃ عبد اللہ بن احمد: ۷۹ فقرہ: ۸۷، نیز دیکھئے ص ۸۲ فقرہ: ۹۲)

بطور تائید عرض ہے کہ امام بخاری نے امام احمد بن حنبل اور امام علی بن عبد اللہ المدینی

سے نقل کیا: "لا يصح في هذا الباب شيء" اس باب میں کوئی چیز صحیح نہیں۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی بحوالہ ابویسی الترمذی ۳۰۱/۱، العلل الکبیر للترمذی ۳۰۲/۱ باب ۱۴۷)

امام محمد بن یحییٰ الذہلی نے فرمایا: مجھے غسل میت سے غسل والی کوئی ثابت شدہ حدیث معلوم نہیں اور اگر ثابت ہوتی تو ہم پر ضروری تھا کہ اس پر عمل کرتے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۳۰۲/۱ سند صحیح)

ابن الجوزی نے کہا: ”ہذه الأحادیث كلها لا يصح“ یہ ساری حدیثیں صحیح نہیں

ہیں۔ (العلل المتعاضد ج ۱ ص ۳۷۸ بعد ج ۶۳۰)

علامہ نووی نے امام ترمذی کا رد کرتے ہوئے کہا: ”بل هو ضعيف“ بلکہ وہ

(روایت) ضعیف ہے۔ (المجموع شرح المہذب ۱۸۵/۵)

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر رانیسا بوری نے فرمایا: ”وليس فيه خبر يثبت“

اور اس (مسئلے) میں کوئی روایت ثابت نہیں ہے۔ (الادب ۳۵۱/۱ تحت ۲۹۶۸)

بہت سے علماء نے اس حدیث کو حسن یا صحیح قرار دیا اور راقم الحروف کے نزدیک

ابوداؤد (۳۱۶۲) اور بیہقی (۳۰۱/۱) وغیرہما کی حدیث حسن ہے، لیکن امام احمد بن حنبل، امام

محمد بن یحییٰ الذہلی، امام ابن المنذر، حافظ ابن الجوزی اور علامہ نووی وغیرہم کا اس حدیث پر

جرح کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ضعیف + ضعیف والی مروجہ حسن لغیرہ روایت کو حجت

نہیں سمجھتے تھے۔ امام بیہقی نے فرمایا: اس باب میں ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مرفوع روایات قوی

نہیں ہیں، بعض راویوں کے مجہول ہونے اور بعض راویوں کے ضعیف ہونے کی وجہ سے اور

صحیح یہ ہے کہ یہ ابو ہریرہ کی موقوف روایت ہے، مرفوع نہیں۔ (السنن الکبریٰ ۳۰۳/۱)

معلوم ہوا کہ امام بیہقی بھی قائل ہونے کے باوجود ضعیف + ضعیف = مروجہ حسن

لغیرہ کے حجت ہونے کے علی الاطلاق قائل نہیں تھے۔

تنبیہ: دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ روایت مذکورہ کا حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے۔

(دیکھئے نیل المصنوع: ۳۱۶۲)

بلکہ بعض علماء نے اسے منسوخ قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم

(۴) حدیث: کہیوں تک تیمم کرنا

بعض روایات میں کہیوں کا قولاً یا فعلاً ذکر آیا ہے، جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱: عن ابن عمر رضي الله عنه (الحکمی ۲/۱۳۹ مسئلہ: ۲۵۰، البوداود: ۳۳۰ وسندہ ضعیف مکر)

۲: عن عمار بن ياسر رضي الله عنه (الحکمی ۲/۱۳۹، البرز اربعہ بحوالہ نصب الراية ۱/۱۵۴)

۳: عن أبي ذر رضي الله عنه (الحکمی ۲/۱۵۰)

مفصل تخریج کے لئے دیکھئے نصب الراية (۱/۱۵۰-۱۵۴) اور عقود الجواهر المہدیہ (ص ۴۰)

ان روایتوں کے بارے میں ابن حزم نے کہا: یہ تمام روایتیں ساقط ہیں لیکن میں

سے کسی چیز کے ساتھ بھی حجت پکڑنا جائز نہیں۔ (الحکمی ۲/۱۴۸)

فائدہ: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہیوں تک تیمم کا کرنا ثابت ہے۔

(الموطا للامام مالک ۱/۵۶ ح ۱۱۹، وسندہ صحیح)

(۵) عام نمازوں میں صرف ایک سلام پھیرنے والی روایت کئی سندوں سے مروی ہے، جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱: عن حميد الطويل عن أنس بن مالك رضي الله عنه .

(المعجم الاوسط للطبرانی بحوالہ المعجم للالبانی: ۳۱۶ وسندہ ضعیف)

۲: عن أيوب عن أنس رضي الله عنه . (مصنف ابن أبي شيبة بحوالہ المعجم ۱/۵۶۶ وسندہ ضعیف)

۳: عن سلمة بن الأكوع رضي الله عنه . (ابن ماجہ: ۹۳۰ وسندہ ضعیف/انوار الصغیرہ ص ۴۱۱)

۴: عن عائشة رضي الله عنها . (ترمذی: ۴۹۶، ابن ماجہ: ۹۱۹ بسندین ضعیفین)

۵: عن سهل بن سعد الساعدي رضي الله عنه . (ابن ماجہ: ۹۱۸)

اس طرح کی اور روایات بھی ہیں جو شیخ البانی وغیرہ کے اصول سے مروجہ حسن لغیرہ

بن جاتی ہیں، لیکن حافظ ابن عبد البر نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سعد بن ابی وقاص، عائشہ اور

انس (رضی اللہ عنہم) کی احادیث سے ایک سلام مروی ہے، لیکن یہ روایتیں معطل ہیں، علمائے

حدیث انھیں صحیح قرار نہیں دیتے۔ (الاسد کارا ۱/۴۸۹ باب التمسد فی الصلوۃ)

ابن الجوزی نے کہا: ”والجواب أن هذه الأحاديث ضعاف“ اور جواب یہ ہے کہ یہ حدیثیں ضعیف ہیں۔ (التحقیق ومعاد الخ لا بن عبد الحادی ۱/۳۶۹ تحت ح ۶۲۲)

نوی نے ایک سلام والی حدیث کے بارے میں کہا: ”ضعفه الجمهور ولا يقبل تصحيح الحاكم له ... وليس في الاقتصار على تسليمة واحدة شيء ثابت“ جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا اور حاکم کا اسے صحیح کہنا قابل قبول نہیں... ایک سلام پر اکتفا کرنے والی کوئی روایت ثابت نہیں ہے۔

(خلاصة الأحكام ج ۱ ص ۴۳۵، ۴۳۶ فقرہ: ۱۳۶۳، ۱۳۶۰)

عقیلی نے کہا: ”ولا يصح في التسليمة شيء“ اور ایک سلام کے بارے میں کوئی چیز صحیح نہیں۔ (الضعفاء للعقيلي مخطوط برلن ومطبوعه محققه ۱/۴۷۵ ترجمہ ثلثة بن عبدة، ونسخه دارا لمصنعي ۱/۱۹۵)

اور فرمایا: ”والحديث في تسليمة أسانيدھا لينة“ اور ایک سلام کے بارے میں حدیث کی سندیں کمزور ہیں۔

(الضعفاء للعقيلي نسخہ عبد المعطی ۲/۵۸، نسخہ المصنعي ۲/۴۱۲، نسخہ دار مجد السلام مصر ۲/۳۳۶)

ثابت ہوا کہ ابن عبد البر، ابن الجوزی، نوی اور عقیلی چاروں ضعیف + ضعیف کو حسن لغیرہ بنا کر حجت نہیں سمجھتے تھے۔ نیز دیکھئے المحلی لابن حزم (۴/۱۳۲ مسئلہ ۴۵۷)

تنبیہ: نماز جنازہ میں صرف دائیں طرف سلام پھیرنا حدیث سے ثابت ہے۔

(دیکھئے میری کتاب: مختصر حج نماز نبوی ص ۹۵، طبع جدید ۲۰۰۹ء)

(۶) حدیث: طلب العلم فريضة على كل مسلم

یہ روایت (ہر مسلمان پر طلب علم فرض ہے) بہت سی سندوں سے مروی ہے اور شیخ البانی وغیرہ نے اسے صحیح یا حسن قرار دیا ہے۔ مثلاً دیکھئے تخریج احادیث مشکاة الفقر و کیف عاجلھا الا سلام للالبانی (ص ۴۸-۶۲ ج ۸۶)

بلکہ امام ابوعلی الحسین بن علی الحافظ النیسابوری نے کہا کہ یہ حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔ (المدخل للمبہوتی: ۳۲۶ وسندہ صحیح)

جبکہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ”لا یثبت عندنا فیہ شیء“ ہمارے نزدیک اس کے بارے میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔ (المستخب من العلل للخلال ص ۱۲۸ ح ۶۲)
 امام اسحاق بن راہویہ نے کہا: ”طلب العلم فریضہ کے بارے میں حدیث صحیح نہیں لیکن اس کا معنی قائم ہے... (مسائل احمد واسحاق رویۃ اسحاق بن منصور الکوج ۲/۵۲۹ فقرہ ۳۲۷۲، جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر ۲/۲۳ باختلاف یسر وسندہ حسن)

امام عقیلی نے کہا: اور اس باب میں روایت کمزور ہے۔ (الضعفاء ۲/۵۸ دوسرے نسخہ ۲/۴۱۲)
 نیز دیکھئے الضعفاء للعقیلی (ترجمہ عائد بن ایوب ۳/۴۱۰، دوسرے نسخہ ۳/۱۱۰۴)
 امام بیہقی نے بھی اس حدیث کے بارے میں فرمایا: ”اس کا متن مشہور ہے اور سندیں ضعیف ہیں، مجھے اس کی کوئی ایسی سند معلوم نہیں جس سے حدیث ثابت ہو جائے۔“
 نیز انھوں نے کہا: اور اگر یہ حدیث صحیح ہو تو... (المدخل: ۳۲۷، ۳۲۵)

تنبیہ: یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف و مردود ہی ہے اور اسے صحیح یا حسن قرار دینا غلط ہے۔ تاہم یہ ثابت ہے کہ امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ”طلب العلم والجهاد فریضۃ علی جماعتہم ویجزئی فیہ بعضہم عن بعض“ طلب علم اور جہاد جماعت پر فرض ہے اور بعض کی طرف سے یہ فرض ادا ہو جاتا ہے۔ پھر انھوں نے سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۱۲۲، کا ایک حصہ تلاوت فرمایا۔ (دیکھئے جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲۶ وسندہ صحیح)
 (۷) ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے کھڑے ہو کر جوتے پہننے سے منع فرمایا ہے اور اس روایت کی چند سندیں درج ذیل ہیں:

- ۱: ازہر بن مروان البصري عن الحارث بن نبهان عن معمر عن عمار بن أبي عمار عن أبي هريرة رضي الله عنه . (ترمذی: ۱۷۷۵)
- ۲: قتاده عن أنس رضي الله عنه . (ترمذی: ۱۷۷۶)
- ۳: أبو الزبير عن جابر رضي الله عنه . (ابوداؤد: ۴۱۳۵)
- ۴: أبو معاوية عن الأعمش عن أبي صالح عن أبي هريرة رضي الله عنه .

(ابن ماجہ: ۳۶۱۸)

۵: وکیع عن سفیان الثوری عن عبد اللہ بن دینار عن ابن عمر رضی اللہ عنہما
عنه . (ابن ماجہ: ۳۶۱۹)

شیخ البانی نے تو اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، لیکن امام بخاری نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ اور
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایتوں میں سے ہر ایک روایت کے بارے میں
فرمایا: ”ولا یصح هذا الحدیث“ اور یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ الخ (سنن ترمذی: ۱۷۷۶)
امام ترمذی نے فرمایا: یہ دونوں حدیثیں اہل حدیث کے نزدیک صحیح نہیں ہیں۔

(الترمذی: ۱۷۷۵)

ثابت ہوا کہ امام بخاری اور امام ترمذی دونوں کے نزدیک ضعیف + ضعیف والی
مروّجہ حسن لغیرہ روایت حجت نہیں، بلکہ ضعیف ہوتی ہے۔

امام ترمذی کے مزید حوالے کے لئے دیکھئے سنن ترمذی (۸۶) اور میرا مضمون: ابن
حزم اور ضعیف + ضعیف کی مروّجہ حسن لغیرہ کا مسئلہ (فقہ: ۵)
۸) نماز عیدین میں بارہ تکبیروں والی حدیث کئی سندوں سے مروی ہے اور بعض سندیں
حسن لذاتہ ہیں۔ مثلاً دیکھئے سنن ابی داؤد (۱۱۵۱)، سندہ حسن لذاتہ (اور جتہ المرتاب
ص ۳۰۱-۳۱۰)

جبکہ علامہ ابن حزم نے کہا: ان روایات میں سے کوئی چیز بھی صحیح نہیں ہے۔

(المحلی ۵/۸۴ مسئلہ ۵۳۳)

۹) ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امام جہاں (فرض) نماز پڑھے تو
وہاں نفل نماز نہ پڑھے۔

یہ روایت اس مفہوم کے ساتھ درج ذیل اسانید سے مروی ہے:

۱: عبد العزیز بن عبد الملک القرشی عن عطاء الخراسانی عن المغیرة بن
شعبة رضي الله عنه . (ابوداؤد: ۶۱۶ وقال الألبانی: صحیح)

(ابوداؤد: ۱۲۹۹، والسند صحیح إلی الانصاری)

۴: المستمر بن الريان عن أبي الجوزاء عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه موقوفاً. (ابوراد: ۱۲۹۸، تعليقاً، الفتاوى ۱/۶، ۲۸۰/۶، ۸۶۰۶۲)

کئی سندوں والی یہ روایت حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہے، لیکن امام ابن خزیمہ نے فرمایا: ”باب صلوۃ التسبیح إن صح الخبر فإن فی القلب من هذا الإسناد شيء“ نماز تسبیح کا باب، بشرطیکہ روایت صحیح ہو، کیونکہ دل میں اس سند کی وجہ سے کوئی چیز (کھٹکتی) ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ ۲/۲۳۳ قبل ۱۲۱۶)

قاضی ابوبکر بن العربی المالکی نے کہا: اور عباس کے قہے کے بارے میں ابورافع (رضی اللہ عنہ) کی حدیث ضعیف ہے، صحیح یا حسن ہونے میں اس کی کوئی اصل نہیں... الخ (عارضۃ الاحوزی ۲/۲۶۶، ۲۶۷ تحت ۳۸۱۲)

عقیلی نے کہا: ”ولیس فی صلوۃ التسبیح حدیث یثبت“

اور نماز تسبیح کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔

(الضعفاء الکبیر ۱/۱۳۳، دوسرا نسخہ ۱/۱۳۶، اوس بن عبد اللہ ابوالجوزاء ۶)

حافظ ابن تیمیہ نے تویہ دعویٰ کر دیا کہ صلوۃ التسبیح والی حدیث ”انہا کذب“ جھوٹ

ہے۔!! (دیکھئے منہاج السنہ ج ۳ ص ۱۱۶ طر ۳۸)

قاضی شوکانی نے بھی اس حدیث پر جرح کی اور کہا: ”والحق أن طرقہ کلہا

ضعیفۃ وأن حدیث ابن عباس یقرّب من الحسن إلا أنه شاذ لشدة الفردية فیہ....“ اور حق یہ ہے کہ اس کی تمام سندیں ضعیف ہیں اور ابن عباس کی حدیث حسن کے قریب ہے، لیکن یہ سخت غریب ہونے کی وجہ سے شاذ ہے۔ (تحفۃ الذاکرین ص ۲۳۲ صلوۃ التسبیح)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: ”وقد ضعفها ابن تیمیہ والمزی وتوقف

الذهبی، حکاہ ابن عبد الہادی عنہم فی أحکامہ“ اے ابن تیمیہ اور مزی نے

ضعیف قرار دیا اور ذہبی نے (اس کے بارے میں) توقف کیا۔ یہ بات ابن عبد البہادی نے

احکام میں ان سے نقل کی ہے۔ (التلخیص الحیر ۲/۴۸۲)

ابن تیمیہ، حزی اور ذہبی کے شاگرد ابن عبد الہادی (متوفی ۷۴۳ھ) کی تصانیف میں الاحکام الکبریٰ مذکور ہے جو آٹھ جلدوں میں ہونے کے باوجود مکمل تھی۔

(دیکھئے مقدمہ طبقات علماء الحدیث ۱/۴۱)

ثابت ہوا کہ مذکورہ تمام علماء مثلاً ابن خزیمہ، قاضی ابوبکر بن العربی، عقیلی، ابن تیمیہ، حزی اور شوکانی وغیرہم ضعیف + ضعیف والی مروجہ حسن لغیرہ کے حجت ہونے کے قائل نہیں تھے، ورنہ وہ بہت سی سندوں والی روایت: صلوٰۃ التسبیح کو کبھی ضعیف قرار نہ دیتے، جبکہ اس روایت کی بعض سندیں حسن لذاتہ بھی ہیں۔

اہل سنت کے ایک جلیل القدر امام احمد بن حنبل نے نماز تسبیح کے بارے میں فرمایا:

”لم یثبت عندي صلاة التسبیح وقد اختلفوا في إسناده، لم یثبت عندي، و كانه ضعف عمرو بن مالك النکري“ میرے نزدیک نماز تسبیح ثابت نہیں اور انھوں نے اس کی سند میں اختلاف کیا ہے، میرے نزدیک ثابت نہیں۔

(عبداللہ بن احمد بن حنبل نے کہا:) اور گویا انھوں نے عمرو بن مالک النکری کو ضعیف

قرار دیا۔ (مسائل الامام احمد، روایہ عبداللہ بن احمد ۲/۲۹۵ فقرہ ۴۱۳)

امام احمد سے نماز تسبیح کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

”إسناده ضعيف“ اس کی سند ضعیف ہے۔ (مسائل ابن ہانی ج ۱ ص ۱۰۵ فقرہ ۵۲۰)

بعض علماء کہتے ہیں کہ امام احمد نے اس بات سے رجوع کر لیا تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ علی بن سعید (القنالی) نے امام احمد سے نماز تسبیح کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ”لا یصح فیہا عندي شیء“ میرے نزدیک اس میں کوئی چیز صحیح نہیں ہے۔

پھر علی بن سعید نے مسلم بن ابراہیم عن المستمر بن الریان عن ابی الجوزاء عن عبداللہ بن عمرو والی روایت پیش کی تو امام احمد نے فرمایا: مسترثاقہ ہیں، اور گویا آپ کو یہ روایت اچھی لگی۔

(دیکھئے الطراف لابن حجر ۶/۲۸۰، اجوبۃ المسائل فی آخر مشکوٰۃ الالبانی ص ۱۷۷-۱۷۸،

الصحیح بحوالہ التعقیح لما جاء فی صلوٰۃ التسبیح ص ۴۲-۴۳)

صحیح یا حسن لذاتہ روایت کی بنیاد پر امام احمد کار جو ع کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ ضعیف + ضعیف والی مرقۃ حسن لغیرہ روایت کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ ہم نے جو حوالے پیش کئے ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حوالے ہیں جن سے ہمارا موقف صاف ثابت ہوتا ہے۔

آخر میں ان اماموں اور علمائے کرام کے نام پیش خدمت ہیں جو ضعیف + ضعیف والی مرقۃ حسن لغیرہ روایت کی حجیت کے قائل نہیں تھے اور اس مضمون میں ان کے حوالے موجود ہیں:

- ۱: احمد بن حنبل (نقرہ: ۱، ۳، ۶، ۱۰)
- ۲: ابو حاتم الرازی (نقرہ: ۲)
- ۳: ابن حزم (نقرہ: ۲، ۴، ۸)
- ۴: بخاری (نقرہ: ۳، ۷، ۹)
- ۵: علی بن المدینی (نقرہ: ۳)
- ۶: ابن الجوزی (نقرہ: ۳، ۵)
- ۷: محمد بن یحییٰ الذہلی (نقرہ: ۳)
- ۸: ابن المنذر انیسابوری (نقرہ: ۳)
- ۹: نووی (نقرہ: ۳، ۵)
- ۱۰: بیہقی (نقرہ: ۳، ۶)
- ۱۱: ابن عبدالبر (نقرہ: ۵)
- ۱۲: عقیلی (نقرہ: ۵، ۶، ۱۰)
- ۱۳: اسحاق بن راہویہ (نقرہ: ۶)
- ۱۴: ترمذی (نقرہ: ۷)
- ۱۵: ابن خزیمہ (نقرہ: ۱۰)

۱۶: ابوبکر بن العربی (فقرہ: ۱۰)

۱۷: ابن تیمیہ (فقرہ: ۱۰)

۱۸: شوکانی (فقرہ: ۱۰)

۱۹: مزی (فقرہ: ۱۰)

۲۰: ذہبی (فقرہ: ۱۰)

ان کے علاوہ اماموں اور علماء کے حوالے بھی موجود ہیں، مثلاً ایک ضعیف روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے نبیذ کے بارے میں فرمایا: پاک کھجور اور پاک پانی۔ یہ روایت کئی سندوں سے مروی ہے۔ دیکھئے میرا مضمون: ابن حزم اور ضعیف + ضعیف کی مروجہ حسن لغیرہ کا مسئلہ (فقرہ: ۱)

اس روایت کے بارے میں امام ابو حاتم الرازی اور امام ابوزرعہ الرازی رحمہما اللہ دونوں نے فرمایا: ”ولا یصح فی هذا الباب شیء“

اور اس باب میں کوئی چیز بھی صحیح نہیں۔ (علل الحدیث ۱/۲۵، ۹۹۲، دوسرا نسخہ ۱/۲۵۱، ۹۹۲)

ثابت ہوا کہ امام ابوزرعہ الرازی بھی ضعیف + ضعیف والی مروجہ حسن لغیرہ روایت کو حجت نہیں سمجھتے تھے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ امام ابو حاتم الرازی کے ساتھ ایک بحث مباحثے میں جب اُن کی پیش کردہ روایات مجروح ثابت ہو گئیں تو انھوں نے سکوت فرمایا، جو گویا خاموش تائید ہے۔ دیکھئے الحدیث حضور: ۸۳ (ص ۲۵)

جس شخص کا یہ دعویٰ ہے ضعیف + ضعیف والی روایات حسن لغیرہ بن کر حجت ہو جاتی ہیں اور ان کا انکار صحیح نہیں ہے تو اس سے مطالبہ ہے کہ وہ جلیل القدر محدثین سے اس کا صحیح و صریح ثبوت پیش کرے اور اگر پیش نہ کر سکے تو باطل میں جھگڑا کرنے کے بجائے حق کی طرف رجوع ضروری ہے۔

(۱۱/اپریل ۲۰۱۱ء)

مروجہ حسن لغیرہ پر مزید معلومات کے لئے دیکھئے الحدیث حضور: ۸۳

محمود عالم اوکاڑوی کی دوغلی پالیسی

محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی (حیاتی دیوبندیوں کے ”مناظر اسلام، وکیل احناف“) نے ایک مشہور مماتی دیوبندی خطیب غلام اللہ خان کے ساتھ ”مولانا“ کا لفظ نہیں لکھا اور ان الفاظ میں وضاحت کی: ”بندہ نے خان غلام اللہ خان کے ساتھ مولانا کا لفظ نہیں لکھا ممکن ہے بعض حضرات کو ناگوار گزرے وجہ اس کی عرض کر دیتا ہوں بندہ..... سید محمد امین شاہ..... کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے فرمایا ایک دفعہ کسی آدمی نے حضرت پیر خورشید احمد شاہ کے سامنے ”مولانا غلام اللہ خان“ کہا تو پیر صاحب نے فرمایا اس کو مولانا نہ کہو۔ کہنا ہے تو مولای کہو کیونکہ یہ ہمارا مولانا نہیں ہے۔ پیر صاحب سخت نالاں تھے....“

(تسکین الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء ص ۵۵۰)

اور اسی محمود عالم نے دوسرے مقام پر غلام اللہ خان کے بارے میں (غالباً بروایت اوکاڑوی) لکھا ہے: ”چنانچہ آج تک یہ لوگ مصنف ابن ابی شیبہ اور بیہقی کی سندوں میں سیف بن عمر ضعی ثابت کر کے خان صاحب کو خائن ہونے سے نہ بچا سکے۔“ (تسکین الاذکیاء ص ۵۸۳)

جس غلام اللہ خان دیوبندی کو محمود عالم یا امین اوکاڑوی نے خائن قرار دیا اور محمود عالم نے ”مولانا“ لکھنے سے انکار کر دیا، اس کے بارے میں حیاتی دیوبندیوں کے ”امام“ سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے: ”ماہنامہ تعلیم القرآن (جو شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کی سرپرستی میں نکلتا تھا۔)“ (خزائن السنن ص ۵۱۱، جلد ۳ ص ۵۵)

بلکہ.... حافظہ نہ باشد کے اصول پر خود محمود عالم نے اپنے قلم سے لکھا ہے: ”اس کے بعد دیوبندی مسلک کی عام جماعتیں جمیعت علمائے اسلام، مجلس تحفظ ختم نبوت، احرار اسلام وغیرہ مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب اور مولانا غلام اللہ خان صاحب کے خلاف ہو گئیں۔“

(فتوحات صفدر ج ۳ ص ۴۳۵)

امین اوکاڑوی نے لکھا: ”مولانا غلام اللہ خان“ (تجلیات صفدر ۱۵۹/۷، نیز دیکھئے ۱۵۶/۷)

قافلہ باطل والوں سے مطالبہ ہے کہ وضاحت کریں: محمود عالم نے ایسی دوغلی پالیسی کس لئے اختیار کر رکھی ہے؟! حل من مجیب!!

[ابوالنعمان]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا احترام

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لا تسبوا أصحابی ...)) میرے صحابہ کو گالیاں نہ دو۔
(صحیح بخاری: ۳۶۷۳، صحیح مسلم: ۲۵۴۱، ترقیم دارالسلام: ۶۳۸۸)

اور ایک روایت میں ہے: ((لا تسبوا أصحابی، لا تسبوا أصحابی ...))
میرے صحابہ کو گالیاں نہ دو، میرے صحابہ کو بُرا نہ کہو۔ (صحیح مسلم: ۲۵۴۰، دارالسلام: ۶۳۸۷)
کتاب و سنت اور اہل حق کے اجماع سے ثابت ہے کہ اُمتِ مسلمہ میں سب سے
بہترین جماعت صحابہ کرام کی جماعت ہے اور تمام صحابہ سے محبت کرنا، ان کا احترام کرنا اور
ان کی کسی قسم کی گستاخی اور تنقیص نہ کرنا اہل ایمان کی نشانی ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین
امام ابوالاجوص سلام بن سلیم الحنفی الکوفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۹ھ) نے فرمایا:
اگر روم والے (کافر عیسائی) اپنے علاقے سے (مسلمانوں پر) حملہ کر دیں اور نخیلہ (کوفہ
کے قریب ایک مقام) تک قتل عام کریں پھر ایک شخص تلوار لے کر ان کے مقابلے میں
نکلے، مسلمانوں کے علاقے آزاد کرے اور انھیں (عیسائیوں کو) روم تک واپس دھکیل دے
(پھر) وہ (مرنے کے بعد) اللہ سے ملاقات کرے اور اس کے دل میں محمد ﷺ کے صحابہ
سے کچھ بغض ہو تو ہم (تابع تابعین اور تابعین) یہ سمجھتے ہیں کہ اسے اس قتال کا کوئی فائدہ نہیں
ہوگا۔ (المنی عن سب الاصحاب للنضیاء المقدسی ص ۶۶ وسندہ حسن لذاتہ)

معلوم ہوا کہ اعمال کی قبولیت کا دار و مدار ایمان پر ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
اجمعین کی گستاخی کرنے والا شخص ایمان سے محروم ہے۔

صحابہ کرام میں تمام صحابہ شامل ہیں، کبار صحابہ ہوں یا صغار صحابہ یا صرف بلحاظ
رویت ہی شرف صحابیت حاصل ہو، ان سب کا احترام فرض ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا: ((اکرموا أصحابی ...)) میرے صحابہ کی عزت کرو۔

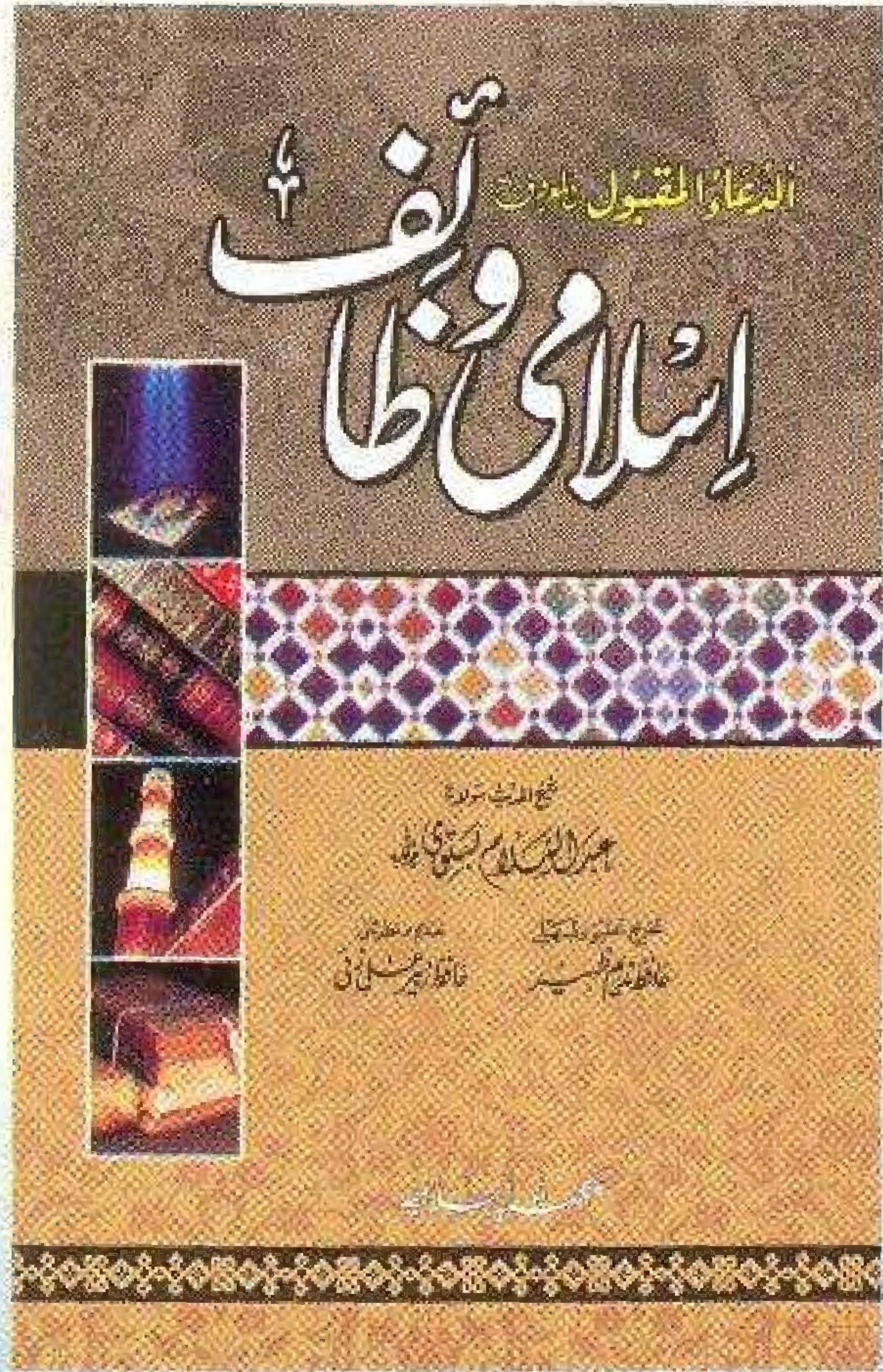
(السنن الکبریٰ للنسائی ۵/ ۳۸۷-۳۸۸ ح ۹۲۲۲ وسندہ حسن و صحیح بالشواہد)

Monthly AlHadith Hazro

ہمارا عزم

✽ قرآن و حدیث اور اجماع کی برتری ✽ سلف صالحین کے متفقہ فہم کا پرچار ✽ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین اور تمام ائمہ کرام سے محبت ✽ صحیح و حسن روایات سے استدلال اور ضعیف و مردود روایات سے کلی اجتناب ✽ اتباع کتاب و سنت کی طرف والہانہ دعوت ✽ علمی، تحقیقی و معلوماتی مضامین اور انتہائی شائستہ زبان ✽ مخالفین کتاب و سنت اور اہل باطل پر علم و متانت کے ساتھ بہترین و بادل لائل رد ✽ اصول حدیث اور اسماء الرجال کو مد نظر رکھتے ہوئے اشاعت الحدیث ✽ دین اسلام اور مسلک اہل الحدیث کا دفاع ✽ قرآن و حدیث کے ذریعے اتحاد امت کی طرف دعوت

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ ”الحديث“ حضور کا بغور مطالعہ کر کے اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمائیں، ہر مخلصانہ اور مفید مشورے کا قدر و تشکر کی نظر سے خیر مقدم کیا جائے گا۔



الْفُرْقَانُ الْمَقْبُولُ
إِسْلَامِي نِظَامٌ
تخریج، تحقیق و تسکیل
حافظ ندیم ظہیر
تقدیم و نظر ثانی
حافظ زبیر عیسیٰ رازی

اردو زبان میں قدیم احادیث پر بہترین کتاب جس میں دوا و علاج کلام اللہ کے مسائل کا بھرپور احاطہ کیا گیا ہے۔

☆ قدیم اور مشکل عبارت کی تسہیل۔
☆ تمام آثار و روایات کی مکمل تخریج۔
☆ وضاحت طلب مقامات پر مفید اضافے۔
ایک ایسی کتاب جو آپ کا اپنے رب سے تعلق استوار کرنے میں معاون ثابت ہوگی۔

مکتبہ اسلامیہ

ملنے کا پتا

بالمقابل رحمان مارکیٹ غوثی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ پاکستان فون: 042-37244973

ہیومنٹ سٹریٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوٹوالی روڈ، فیصل آباد پاکستان فون: 041-2631204, 2034256

alhadith_hazro2006@yahoo.com